ازالہ اوہامِ باطلہ

اسلامی مشن سنت نگر لاہور

ازالہ اوہام باطلہ

حضرت عیسیٰ کا مذہب اور پولس کا مذہب

حقیقت روح القدس اور صلیب

ایک مسیحی عالم کے قلم سے

اور

دیگر پُر از حقائق مضامین

جو مسیحیت کا اصلی چہرہ اُس کا نقاب اُلٹ کر پیش کرتے ہیں

شائع کردہ

اسلامی مشن سنت نگر۔ لاہور

طباعت: سیّد سنز پرنٹرز و پبلشر
اردو بازار لاہور

اشاعت: اسلامی مشن سنت نگر۔ لاہور

کتابت
عبد المجید امجد۔ محلہ صداقت پارک۔ نزد سانده خورد
لاہور

فہرست مضامین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب ۔ اور
پولُس کا مذہب
حقیقتِ رُوح القدس ۔ اور ۔ صلیب

ایک مسیحی عالم کے قلم سے مسیحیت کی پُرفریب حقیقت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب شریعت کی پابندی اور نبی کی جگہ روح القدس بطور مددگار " وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا " (جو تحریف کا نتیجہ ہے)

اور پولُس رسول کا مذہب :۔ صلیبی موت اور کفارہ ۔ جس کے نتیجے میں موسوی شریعت کو لعنت قرار دے دیا گیا ۔ ۔ ۔ جسے قائم کرنے کے لئے پولُس رسول نے مسیحیت کو غیر شرعی اور غیر روایتی مذہب بنایا اور تعلیم دی ۔

صلیبی موت کا عقیدہ

"کیونکہ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں ۔ وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔" گلتیوں ۳/۱۰

"تم جو شریعت کے وسیلہ سے راستباز ٹھہرنا چاہتے ہو ۔ مسیح سے الگ اور فضل سے محروم ۔" گلتیوں ۵/۴

"اور اگر فضل سے برگزیدہ ہیں تو اعمال سے نہیں ورنہ فضل فضل نہ رہا۔"

رومیوں ۱۱/۶

پولُس کا مذہب :- "میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں۔ اور اب میں زندہ نہ رہا۔ بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے ۔ اور میں جواب (باوجود روح القدس سے بپتسمہ یافتہ ہونے کے) جسم میں زندگی گزارتا ہوں تو خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے گذارتا ہوں۔ جس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالہ کر دیا۔ میں خدا کے فضل کو بیکار نہیں کرتا۔ کیونکہ راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا۔"

گلتیوں ۲/۲۰-۲۱

مزید حوالے گلتیوں ۳/۲۳ ، ۵/۴ ، ۲/۱۲ عبرانیوں ۷/۱ ، ۷/۱۸ ، ۸/۱۳

حالانکہ مسیح خداوند نے صاف طور پر فرمایا تھا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں ۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا۔ اور ان کی تعلیم دیگا۔ وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں

کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے (مگر تعجب ہے مسیحیت فریسیوں کو منافق کہتی ہے) زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے"۔

متی ۵ / ۱۷-۲۰

مگر مسیح کی اس تعلیم کے خلاف پولُس نے موسوی اور عیسوی شریعت کے خاتمے کا اعلان کرکے، اپنی نبوت کے ذریعہ مسیحیت کو انسانی جبلّی رجحانات یعنی (accarding to human INSTINCT) کے مطابق ہی عمل کرنے کی اجازت بخش دی۔ گلتیوں ۵ / ۱۶-۲۶

"اگر ہم روح کے سبب سے زندہ ہیں تو روح کے موافق چلنا بھی چاہیئے"

جس کی مزید وضاحت وہ خود ہی رومیوں کے خط میں اس طرح سے کرتا ہے۔

"پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں۔ ان پر سزا کا حکم نہیں۔ کیونکہ زندگی کے روح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے موت اور گناہ کی شریعت سے آزاد کردیا۔"

رومیوں ۸ / ۱-۲

(نوٹ:۔ جب شریعت ختم ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ ہی تمام حدود و قیود وعدے وعید بھی ختم، نہ دوزخ کا ڈر نہ بہشت کی خوشی نہ دنیوی سزائیں نہ آخرت کے عدل کا خوف و خطر، چونکہ یہ سب حقائق شریعت کے ساتھ ہی وابستہ تھے۔ شریعت کے خاتمہ کے بعد نہ شیطان باقی رہا اور نہ ہی اس کے بہکانے اور گمراہ کرنے کا ڈر۔)

اب اس صورت سے ثابت ہوا۔ کہ پولس رسول نے مسیحیت کو طبعی رجحانات کے مطابق ہی عمل کرنے کی اجازت بخش دی۔ جیسا کہ اس کے اس بیان سے

ثابت ہے :-

"اس لئے کہ جب وہ قومیں جو شریعت نہیں رکھتیں اپنی طبیعت سے شریعت کے کام کرتی ہیں ۔ تو باوجود شریعت نہ رکھنے کے وہ اپنے لئے خود ایک شریعت ہیں ۔ چنانچہ وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہوئی دکھاتی ہیں ۔"

(رومیوں ۲/۱۵-۱۴)

جس کے نتیجہ میں پولُس رسول مسیح خداوند کی قابل قدر پہاڑی وعظ کی معیاری اخلاقی تعلیم کو بھی ختم کر دیتا ہے ۔ اور لکھتا ہے :-

"پس آؤ مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑ کر کمال کی طرف قدم بڑھائیں "

(عبرانیوں ۶/۱)

تعجب ہے کہ مسیح کی اتنی بڑی معیاری اور پایہ کی اخلاقی تعلیم مسیحیت کو کاملیت کا دروازہ نہ دکھا سکی جو آپ نے پہاڑی وعظ میں عطا فرمائی تھی ۔

(مطابق باب متی پانچ ، چھ ، سات)

اب سوال یہ ہے کہ موسوی اور عیسوی شریعت کی جگہ پولُس رسول کے پاس کون سی دیگر الہٰی خدا کی بخشندہ تعلیم تھی جو مسیحیت کو کاملیت کا دروازہ دکھائے ۔

اب ملاحظہ ہو مسیح خداوند کی تعلیم کے مقابلہ میں پولُس رسول کی اخلاقی تعلیم جس کی بنیاد اُس نے انسانی طبعی رجحانات کے ہی مطابق رکھ دی ۔ جس کے متعلق اس کا دعویٰ ہے ۔ "کہ وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہوئی دکھاتی ہیں "

ملاحظہ ہو طبعی رجحانات کی شریعت گلتیوں ۵/۲۲ اور یہ وہ اخلاقی تعلیم تھی جو غیر اقوام کے علاوہ ہر ذی روح شے میں پائی جاتی ہے ۔ جن میں جانور بھی شامل ہیں ۔

"مگر روح کا پھل محبت، خوشی۔ اطمینان، تحمل، مہربانی نیکی۔ ایمانداری حلم، پرہیزگاری ہے۔ ایسے کاموں کی کوئی شریعت مخالف نہیں"

گلتیوں ۵/۲۲-۱۶ میں دیکھیے۔

مسیح خداوند کے مقابلہ میں پولُس رسول کی نبوّت

ساؤل (پولُس) نسل پرست کٹّر قسم کا یہودی تھا۔ جو ترسُس یونان موجودہ ترکی کا رہنے والا تھا۔ یونانیوں کے مذہب اور ان کی تہذیب سے متاثر تھا۔ عقیدہ میں تصوّف اور روح کے حلول کا قائل تھا۔ بنی اسرائیل اُسے فریسی تصوّر کرتے تھے۔ چلّے اور دعاؤں کے ذریعے مریضوں کو شفا بخشتا تھا۔ اُس نے اس اپنے ہی دعوے کے مطابق مسیحیت اختیار کی کہ خداوند یسوع مسیح نے آسمان سے پکار کر فرمایا کہ جا۔ کیونکہ یہ قوموں اور بادشاہوں اور بنی اسرائیل پر میرا نام ظاہر کرنے کا میرا چنا ہُوا وسیلہ ہے۔ (اعمال ۹/۱۹-۱)

ثابت ہُوا کہ پولُس رسول نے مسیح سے اس کی زندگی میں تعلیم نہ پائی تھی اور نہ ہی مسیح کے معزز شاگردوں سے تعلیم حاصل کی۔ اور نہ ہی اس نے مسیح کو دیکھا تھا۔ مسیح کے آسمان کے بلاوے کی بنیاد پر اُس نے اپنے نبی ہونے کا ان الفاظ میں دعویٰ کر دیا۔

"اگر کوئی اپنے آپ کو نبی یا روحانی سمجھے تو یہ جان لے کہ جو باتیں میں تمہیں لکھتا ہوں وہ خداوند کے حکم ہیں۔ اور اگر کوئی نہ جانے تو نہ جانے"

۱۔ کرنتھیوں ۱۴/۳۷

دوسری طرف اپنے ہی اس دعوے کے خلاف کہ مسیح نے آسمان سے پکار کر مجھے اپنا رسول مقرر کیا۔ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیدائشی نبی بھی ثابت کرتا ہے

"لیکن جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا تھا"

(گلتیوں ۱۱-۱۷/۱)

غور طلب بات یہ ہے کہ چونکہ یہ ایمانیات اور اعتقادات کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ جس پر مسیحیت کا قلعہ استوار ہے۔ ان دونوں دعووں میں کون سا اس کا دعویٰ سچا اور حقیقت پر مبنی ہے؟ اس کے دوسرے دعوے سے ثابت ہوا کہ پولس رسول کو مسیح اور مسیح کی تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا چونکہ اس نے مسیح خداوند کے شاگردوں سے بھی تعلیم نہیں پائی تھی۔ کہ وہ مسیح کی تعلیم کو فروغ دیتا۔ جس کے نتیجہ میں مسیح خداوند کے سارے کرائے پہ پانی پھر گیا۔ اور مسیح کا دنیوی مشن بے کار ہو گیا جس کے لئے مسیح نے یہودیوں کے ہاتھوں مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائی تھیں اور صلیب پر لٹکنا پڑا تھا۔ اس کی جگہ اب پولس نے اپنی نبوت جاری کر دی۔

حالانکہ اگر کچھ حقیقت تھی بھی تو بقول اس کے کہ مسیح نے اسے آسمان سے پکار کر اپنا رسول مقرر کیا ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب وہ مسیح کے نامی گرامی اور قابل قدر شاگردوں کو مارتا اور انہیں قتل کرنے کی دھن میں تھا۔

(اعمال ۱-۳/۹)

پولس کے دعوے سے ثابت ہوا کہ خدا نے پولس کو دونوں کاموں کے لئے

مخصوص کیا تھا۔ پہلے مسیح کے معصوم شاگردوں کو مروانے کے لئے اور مسیح خداوند کو تکلیف پہنچانے کے لئے اور مسیحیت کو تباہ کرنے کے لئے۔ پھر اس کے بعد بیوہ بیوں کو غیر شرعی زندگی دے کر انہیں برباد کرنے کے لئے؟ جو انہوں نے تو قبول نہ کی مگر بدقسمتی سے یونان اور روم کے عوام نے اسے آسانی سے قبول کر لیا۔ چونکہ وہ پہلے ہی سے موسوی اور عیسوی شریعت سے واقف نہ تھے۔ صرف خدا پرست اور متعدد دیوتاؤں کو مانتے تھے۔ اور اپنی زندگیاں طبعی رجحان کے مطابق گذارنے کے عادی تھے۔ جنہیں نبی جیسی شخصیت کا اور نہ ان کے ذریعہ دی ہوئی شریعت کا وہ علم رکھتے تھے۔ انہی طبعی رجحانات کو ختم کرنے کے لئے نبی تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کی جگہ تجربات کی بنیاد پر اُن کا خود بخود تہذیب یافتہ ہونا اور حالات کے تحت اخلاقیات کو بروئے کار لانا ان کا مذہب ہوتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں پولُس کو اپنا مذہب پھیلانے میں بہت آسانی ہوئی۔ اور فریسی ہونے کی وجہ سے دعاؤں کے ذریعے انہیں صحت یاب کرنے نے اس کی بڑی مدد کی۔ اور پولُس کے عقاید آسانی سے اُن میں رائج ہو گئے۔ (اعمال ۱۴/۱۱)

پولُس کے اس دوسرے دعوے کے مطابق کہ خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا تھا۔ پولُس کا تعلق مسیح سے نہ رہا۔ بلکہ سیدھا خدا ہی سے قائم ہو گیا۔ اور اس کے علاوہ پولُس نے مسیح کو کبھی بھی خدا تصور نہیں کیا۔ اور ہمیشہ یہی لکھا۔ " اور سوائے ایک کے اور کوئی خدا نہیں "

(۱۔ کرنتھیوں ۸/۴-۶)

اس کے علاوہ پولُس اپنے ہر خط میں یہی اقرار کرتا دکھائی دیتا ہے

"پولُس کی طرف سے جو نہ انسانوں کی جانب سے نہ انسان کے سبب سے بلکہ یسوع مسیح ۔ اور ۔ خدا باپ کے سبب سے"

(گلتیوں ۱/۱ افسیوں ۱/۱ کلسیوں ۱/۱ فلپیوں ۱/۱)

مگر خدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا کرتا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۲/۶)

اور جیسا کہ مسیح یسوع خداوند نے بھی یہی دعویٰ کیا۔" اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ خدا کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے"

(یوحنا ۱۴/۲۴ ، ۱۷/۳)

اسی طرح پولُس نے بھی دعویٰ کر دیا

"اگر کوئی اپنے آپ کو نبی یا روحانی سمجھے تو یہ جان لے کہ جو باتیں میں تمہیں لکھتا ہوں ، وہ خداوند کے حکم ہیں۔" (۱۔ کرنتھیوں ۱۴/۳۷)

اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کر دیا:۔

"چنانچہ یہودی طریق میں جو پہلے میرا چال چلن تھا تم سُن چکے ہو کہ میں خدا کی کلیسیا کو ازحد ستاتا اور تباہ کرتا تھا۔ اور میں یہودی طریق میں اپنی قوم کے اکثر ہم عمروں سے بڑھتا جاتا تھا۔ اور اپنے بزرگوں کی روایتوں میں نہایت سرگرم تھا۔ لیکن جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے (جس خدا نے مسیح نے نہیں۔ ناقل) مخصوص کر لیا۔ اور اپنے فضل سے بلا لیا۔"

(گلتیوں ۱/۱۵-۱۳)

اب اس صورت سے ثابت ہوا کہ پولُس کو مسیح خداوند کی تعلیم سے کوئی تعلق اور

واسطہ نہ تھا۔ بلکہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کرکے اپنی طرف سے ایک نئی خوشخبری
کا اعلان کردیا۔ چونکہ مسیح نے اپنی بخشندہ خوشخبری کی تکمیل قبر سے زندہ ہوکر اور آکر
تیسرے ہی دن شاگردوں پر اپنے مبارک ہاتھوں بنفسِ نفیس پوری کردی تھی۔
اور روح القدس انہیں بخشدیا تھا۔ یوحنا ۲۰/۱۹-۲۳ اور جس کی تصدیق خود ہی پطرس
کی زبانی ان الفاظ میں فرمائی۔

"پس خدا کے دہنے ہاتھ سے سربلند ہوکر اور باپ سے وہ روح القدس
حاصل کرکے جس کا وعدہ کیا گیا تھا (یوحنا ۱۴/۲۶) اس نے یہ نازل کیا جو تم
دیکھتے اور سنتے ہو" (اعمال ۲/۳۳)

جس کے نتیجے میں پطرس نے مسیحی مذہب کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اور اسی پطرس کو
مسیح نے اپنی زندگی میں ہی اپنا خاص جانشین اور نمائندہ مقرر فرمادیا تھا۔
کہ آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا۔ (متی ۱۶/۱۸-۱۹)
(مگر تعجب ہے کہ مسیح آسمان پر جاکر بھول گیا اور پولس کو اپنا جانشین مقرر کرلیا؟)
جس کے نتیجے میں پطرس نے مسیحی مذہب کی بنیاد قائم کی اور کلیسیا وجود میں آئی۔

"پطرس نے ان سے کہا کہ توبہ کرو۔ اور تم میں سے ہر ایک اپنے
گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو روح القدس
انعام میں پاؤ گے" (اعمال ۲/۳۸)

اور یہی مسیحی مذہب اور اس کی بنیاد ہے۔ جس پر پادریوں اور گرجاؤں کا نظام قائم ہوا۔
اس کے بعد اب یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ کہ پولس کی مسیح کو کیوں ضرورت پڑی
اب اس کے بعد پولس رسول جگہ جگہ یہ دعوت دے رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"کہ میری خوش خبری کے مطابق ۔"

(گلتیوں ۸-۶/۱ رومیوں ۱۶/۲)

"جس روز خدا میری خوشخبری کے مطابق یسوع مسیح کی معرفت آدمیوں کی پوشیدہ باتوں کا انصاف کرے گا ۔"

حالانکہ مسیح خداوند نے اپنی بخشندہ خوش خبری کی تکمیل تیسرے ہی دن قبر سے زندہ ہو کر اور آکر کر دی تھی۔ اور روح القدس بخش دیا۔ اور گناہ تک بخشنے کی اجازت دے دی تھی۔ جس کی بنیاد پر مسیحی کلیسیا قائم ہوئی۔ اب اس صورت میں پولُس کا دخل مسیحی مذہب میں سمجھ سے باہر ہے ۔ اب اس کے بعد پولُس کا دعویٰ ملاحظہ ہو

"میں تعجب کرتا ہوں کہ جس نے تمہیں مسیح کے فضل سے بلایا۔ اس سے تم اس قدر جلد پھر کر کسی اور طرح کی خوشخبری کی طرف مائل ہونے لگے۔ مگر وہ دوسری نہیں البتہ بعض ایسے ہیں، جو تمہیں گھبرا دیتے ہیں۔ اور مسیح کی خوشخبری کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم یا آسمان کا کوئی فرشتہ بھی اس خوش خبری کے سوا جو ہم نے تمہیں سنائی کوئی اور خوش خبری تمہیں سنائے تو ملعون ہو۔"

(گلتیوں ۸-۶/۱)

پولُس دعوےٰ کر رہا ہے "کہ اس سے تم اس قدر جلد پھر کر کسی اور طرح کی خوشخبری کی طرف مائل ہونے لگے" اور ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے "مگر وہ دوسری نہیں" اگر وہ دوسری نہیں تو پولُس کو گھبراہٹ کس بات کی تھی وہ بہر حال خوش خبری تو ایک ہی تھی۔ مگر وہ خوشخبری کونسی تھی۔ جس نے پولُس کو گھبرا دیا (وہ دوسری کیا خوشخبری

تھی۔ جس نے پولُس کو گھبرا دیا۔ وہ کسی دوسرے مضمون میں عیاں کی جائے گی)
دراصل اس صورت میں پولُس خود ہی مسیحؑ کی بخشندہ خوش خبری کی جگہ ایک نئی خوشخبری
بخشتا نظر آرہا ہے۔ حالانکہ خوش خبری ایک ہی تھی جو روح القدس کے متعلق تھی۔
جس پر مسیحی مذہب کی عمارت استوار ہے۔ یاد رکھیئے۔ پولُس نے جب اپنے چودہ
خطوط لکھے تھے۔ اس وقت نہ تو کسی انجیل کا وجود تھا جو کہ ان کی تاریخ تحریر سے
ثابت ہے۔ اور نہ ہی خاص کردہ انجیل سامنے آئی تھی۔ جس میں مسیحؑ نے روح القدس
بطور مددگار کے بھجوانے کی خوش خبری عطا کی تھی۔ اور اپنے مبارک ہاتھوں اس کی
تکمیل بھی کر دی تھی۔ (یوحنا ۲۰ / ۱۹-۲۵ اور اعمال ۲ / ۲۲)
پولُس کو دراصل اس انجیل کا علم ہی نہ تھا۔ اگر علم ہوتا تو پھر پولُس کی تعلیم ایک روائتی
تعلیم تصور ہوتی۔ نہ کہ سیدھی خدا سے؟ اور وہ انجیل یوحنا تھی جو پہلی صدی کے
آخیر بلکہ دوسری صدی کے شروع زمانہ میں سامنے آئی تھی۔ اگر پولُس کو اس انجیل کا
علم ہوتا۔ تو وہ کبھی اپنی نبوّت کا دعوےٰ نہ کرتا۔ اب پولُس اپنی نبوّت کے
ذریعہ اعلان کرتا ہے۔ اور اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد قائم کر دی۔ جس
سے مسیحؑ اور نہ ہی مسیحؑ کی تعلیم کا تعلق تھا۔ چونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو وہ صرف مسیحؑ کی
تعلیم کا ہی علمبردار ہوتا۔ اسے اپنے نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ ہرگز نہ کرنا پڑتا۔
اور مسیحؑ بھی خدا کی جگہ نبی ہی رہ جاتا۔ جو کہ تھی بھی حقیقت اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام
بطور نبی انسانیت کی بہتر خدمت کرتے۔ بہ نسبت خدا کے۔ اور اگر موجودہ مسیح
کی تعلیم کے مطابق بپتسمہ اور خوش خبری روح القدس بطور مددگار ہی کے متعلق تھی۔
جس پر ایمان لانے کے نتیجہ میں مسیحی حضرات کے قلب کو ہی روح القدس

پاکیزگی بخش چکا تھا۔ تو اس صورت میں مسیحی حضرات کو صلیب اور فدیہ کی رحمت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ چونکہ روح القدس کی روح اور قلب کے ساتھ آمیزش نے اُن کی روح اور قلب کو ہی پاکیزگی بخش دی۔ جس کے نتیجہ میں کوئی مسیحی مومن گناہ تو کر ہی نہیں رہا۔ جو اسے صلیب اور کفّارہ کی نعمت اور رحمت کی ضرورت ہوتی؟ اور پچھلے گناہوں یا آدم کی وجہ سے نسلی گنہ گار ہونے کے متعلق پطرس نے صاف طور پر فرمایا۔ کہ "توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو روح القدس انعام میں پاؤ گے" اور مسیحیت کا یہی ایمان اور عقیدہ بھی ہے۔ اب اس کے بعد پولس رسول اپنی نبوت کے ذریعہ اعلان کرتا ہے۔

"کیونکہ مسیح نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا۔ بلکہ خوش خبری سنانے کو اور وہ بھی کلام کی (انجیل کی۔ ناقل) حکمت سے نہیں۔ تاکہ مسیح کی صلیب بے تاثیر نہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک تو بیوقوفی ہے۔ مگر ہم نجات پانے والوں کے نزدیک خدا کی قدرت ہے۔"

(۱۔ کرنتھیوں $\frac{1}{17-18}$)

اور ظاہر ہے کہ روح القدس بطور مددگار ایمان کے ذریعے ان کے رُوح اور قلب کو پاکیزگی بخش چکا تھا۔ انہیں کسی کی صورت صلیب اور کفّارہ کی ضرورت باقی ہی نہ تھی۔ ہاں البتہ روح القدس کا بپتسمہ ختم کر کے یا اُسے ایک ڈھونگ تصوّر کرتے ہوئے تو واقعی مسیحی حضرات کو اپنے پچھلے اور اگلے گناہوں کے لئے کفّارہ

اور مسیح کے صلیبی لعنتی موت مرنے کی ضرورت پڑی۔ جس کی پولُس وکالت کر رہا ہے۔ اور فرما رہا ہے کہ

"مسیح نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا"

اب اسے مزید سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مسیح پر ایمان لانے اور پچھلے گناہوں سے توبہ کر لینے کے بعد مسیحی حضرات کو روح القدس کی نعمت اور رحمت بطور مددگار بخش دی گئی۔ جو ان کے روح اور قلب کو پاکیزگی بخش دیتا ہے۔ اور یہی ایمان اور عقیدہ بھی ہے۔ جس پر مسیحی مذہب کا قلعہ استوار ہے۔ یہ عقیدہ اور ایمان صلیب اور کفارہ کی ضرورت کو باقی ہی نہیں رہنے دیتا۔ اور اگر روح القدس کا حصول ایک فرضی عقیدہ ہے۔ تو واقعی مسیحیت کو اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے فدیہ اور صلیب کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جس کا پولُس دعویٰ کرتا ہے۔ کہ مسیح نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا۔ بلکہ صلیب کی خوش خبری سنانے کو

(۱۔ کرنتھیوں ۱/۱۷-۱۸)

عشائے ربّانی کی پاک رسم

مسیحی بناتے وقت اُسے پانی میں غوطہ دے کر یعنی جب وہ پانی سے باہر آیا جیسا کہ اس نے ماں کے پیٹ سے وہ نیا جنم لیا۔ جو مکمل طور پر گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنا تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے ذرا سی مئے اور روٹی کا ذرا سا ٹکڑا یہ کہہ کر کھلایا جاتا ہے کہ یہ مسیح کا خون اور جسم ہے۔ جس کے بعد اُسے رُوح القدس کی نعمت سے نواز دیا جاتا ہے۔ جسے عموماً مسیحی حضرات نئی زندگی کے مقدّس نام سے

پکارتے ہیں۔ اور روح القدس کے حلول کرجانے کے عقیدہ کے مطابق اپنی زندگی کی راہ پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اپنے ہر خیال اور اعمال کو رُوح القدس کی پاکیزہ طاقت کی طرف سے جائز اور پاک تصوّر کرتے ہوئے زندگی گذارتے ہیں۔ جس کے متعلق وضاحت ایک مسیحی شاعر نے خوب کی ہے۔

ہم بھی اپنی ذات میں کمزور ہیں خاکی بشر
رُوح القدس سے گنہ پر فتح پاتے ہیں مگر

ظاہر ہے مسیحی حضرات کی روحیں اور قلب تو پاکیزگی اختیار کرچکے ہیں۔ اب انہی حضرات کو پادریوں کا گرجا میں بلاکر اور اقرار گناہ کرواکر دوبارہ گناہ بخشے جانے کا مژدۂ جانفزا سنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ چونکہ روح القدس پر ایمان کے مطابق کوئی مسیحی گناہ تو کرہی نہیں رہا؟ بہر حال رُوح القدس بطور مددگار مسیحی حضرات کو پاکیزہ زندگی گزارنے کا ضامن ہے۔ ورنہ رُوح القدس بے مقصد اور فضول ہوکر رہ جاتا ہے۔ ثابت ہُوا کہ

پولُس نے اپنے مذہب کی بنیاد اس خوشخبری جو کہ رُوح القدس بطور مددگار بخشے جانے کے متعلق تھی کی بنیاد پر نہیں رکھی جس کی مسیح خداوند نے خود تکمیل بھی فرمائی اور اُس کی تصدیق آسمان سے بھی فرمائی۔

(یوحنا ۲۰/۱۹-۲۳ اور اعمال ۲/۳۴)

اس کے علاوہ یہی واقعہ دوبارہ پینٹیکسٹ کے دن دُہرایا گیا (اعمال ۲/۱-۴)
اور مقدس پطرس نے اسی بنیاد پر مسیحی مذہب کی کلیسیا کی بنیاد رکھی تھی۔ اور اس

وقت پولُس مسیحیت میں شامل ہی نہیں ہوا تھا۔ پطرس کا مذہب جیسے لُوقا نے اعمال کی کتاب میں اس طرح لکھا ہے:۔

"پس خدا کے دہنے ہاتھ سے سر بلند ہو کر اور باپ سے وہ رُوح القدّس حاصل کر کے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اُس نے یہ نازل کیا جو تم دیکھتے اور سنتے ہو"

(اعمال $\frac{۲}{۳۳}$)

اور یہی وہ خوشخبری اور وعدہ تھا۔ جس کے متعلق یوحنا اپنی انجیل میں مسیح خداوند خدا کی زبانی لکھتا ہے۔ کہ میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"

(یوحنا $\frac{۱۴}{۱۶}$، $\frac{۱۴}{۲۶}$)

غرض مسیح خداوند کی خوش خبری تکمیل پا گئی تھی اور وہ وعدہ مسیح نے خود اپنے پاک ہاتھوں تکمیل کر دیا تھا۔ اور مسیحیت روح القدّس کی رحمت اور نعمت سے سرفراز اور سرشار ہو گئی تھی۔ اور اسی بنیاد پر مسیحی مذہب اور اس کی کلیسیا کی تعمیر ہوئی

"پطرس نے اُن سے کہا کہ توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو تم روح القدّس انعام میں پاؤ گے۔"

(اعمال $\frac{۲}{۳۸}$)

اس توبہ اور گناہ کی معافی کے لئے صلیب کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ توبہ پچھلے گناہوں سے اور مسیح کے نام پر بپتسمہ کا عہد ضرور ہے۔ اب روح القدّس کی نعمت اور رحمت اور بپتسمہ کے نتیجہ کا ہر مسیحی بھائی کو اچھی طرح علم ہے۔ بلکہ باقاعدہ یہ نعمت بطور مددگار انہیں حاصل ہے۔ کہ رُوح القدس بطور مددگار مسیحی بھائیوں کی رُوح اور قلب کو ہی پاکیزگی بخش دیتا ہے

جس کے نتیجہ میں ان میں ایک وصف اجاگر ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب سے انہیں کسی عمل کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ کہ یہ پاک ہے یا ناپاک ہے جیسا کہ پولس رومیوں کو لکھتا ہے ١۴/١۴

"مجھے معلوم ہے۔ بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے۔ کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں۔ لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے۔ اس کے لئے حرام ہے۔"

ثابت ہوا کہ کوئی مسیحی گناہ تو کر ہی نہیں رہا جو اسے صلیبی موت پر گناہوں کی نجات کے لئے ایمان و اعتقاد کی ضرورت ہوتی۔ ویسے بھی پچھلے گناہوں کے لئے مطابق پطرس توبہ ہی کافی ہے۔ عشائے ربانی کے ذریعہ نعمتِ روح القدس بخشی ہی اسی لئے گئی تھی اور حقیقتاً یہی مسیحی مذہب ہے بھی اور اگر مطابق پولس کہ

"مسیح نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا بلکہ خوشخبری سنانے کو تاکہ مسیح کی صلیب بے اثر نہ ہو جائے۔"

اور ظاہر ہے کہ پولس کی طرف یہ عقیدہ بھی جاریہ ہے اور باقاعدہ عمل پذیر ہے اب وہ اس صورت میں کفارہ اور صلیب کا عقیدہ روح القدس بطور مددگار بخشے جانے کے عقیدہ کی اہمیت کو ہی ختم کر دیتا ہے۔ اور یہی پولس رسول کی تعلیم مذہب اور خوش خبری ہے۔ جس کا ثبوت ہمیں دیگر متعدد جگہ کے پولس کے اس کلام سے بھی عیاں ہوتا ہے جو اس نے شریعت کو ایک لعنت قرار دے کر (گلتیوں ٣/١٠) اور ساتھ ہی مسیح خداوند کے پہاڑی وعظ کو بھی ختم کر کے انسان کے کاملیت کے حصول کا فرضی عقیدہ رائج کر دیا۔ (عبرانیوں ٦/١)

"پس آؤ مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑ کر کمال کی طرف قدم بڑھائیں۔"

دراصل یہ اس لئے ضروری تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے فرمودہ مواعظِ حسنہ پر عمل کر لیا جاتا اور آپ کی تقلید کر لی جاتی تو مسیح خداوند کی حیثیت صرف نبی کی ہی رہ جاتی۔ اس تقلیدی نبوت کی رحمت کو ختم کرنے کے لئے پولُس نے انسان کو اس کے طبعی رجحانات پر ہی عمل کرنے کی اجازت بخش دی۔

غورطلب مقام

ظاہر ہے کہ خوش خبری تو ایک ہی تھی۔ چاہے وہ اہلِ اسلام کے خیال میں نبی بطور مددگار کے متعلّق تھی۔ اور یوحنا پطرس کے خیال میں روح القدس بطور مددگار تھی اور پولُس کے خیال کے مطابق یہ خوشخبری صلیب پر لعنتی موت بطور کفّارہ تھی۔

ثابت ہوا کہ اگر صلیب اور کفّارہ کی ضرورت ہے تو رُوح القدس کی پاکیزگی بخش طاقت کی ہرگز نہیں۔ اور اگر روح القدس پر ایمان ہے۔ تو پھر صلیب اور کفّارہ کا عقیدہ ایک بے کار سا ہو کر رہ جاتا۔ پولُس کے اس قول پر فکر کی ضرورت ہے۔

"کیونکہ مسیحؑ نے مجھے بپتسمہ دینے کو نہیں بھیجا بلکہ خوش خبری سنانے کو اور وہ بھی کلام کی حکمت سے نہیں تاکہ مسیحؑ کی صلیب بے تاثیر نہ ہو

کیونکہ

صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک تو بے وقوفی ہے
مگر ہم نجات پانے والوں کے نزدیک خدا کی قدرت ہے۔"

(۱۔ کرنتھیوں $\frac{1}{۱۸-۱۷}$)

دوسری طرف :-

• لیکن ہم یا آسمان کا کوئی فرشتہ بھی اس خوش خبری کے سوا جو ہم نے سنائی ہے۔ کوئی اور خوش خبری سنائے تو ملعون ہو۔"

(گلتیوں $\frac{1}{8}$)

غور طلب مقام ہے کہ وہ تیسری خوش خبری کیا تھی۔ جس سے پولُس گھبرایا ہُوا نظر آرہا ہے۔

پادری صاحب کے اوہامِ باطلہ
کی تکرار

از پروفیسر غلام نبی مسلم ایم۔ اے

شائع کردہ
اسلامی مشن سنت نگر لاہور

طباعت :۔ سید سنز اردو بازار لاہور

کتابت

عبدالمجید امجد محلہ صداقت پارک ۔ لاہور

پادری صاحب کے اوہام باطلہ کی تکرار

کراچی سے ایک پادری الیاس طارق صاحب نے کچھ عرصہ پہلے ایک طویل مراسلہ اسلامی مشن لاہور کو بھیجا تھا۔ جس میں انہوں نے قرآن مجید کی صحت سے متعلق کچھ استفسارات کئے تھے۔ درحقیقت جب سے اسلامی مشن لاہور کی جانب سے عیسائی پادریوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ بتائیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کی مخاطب یہودی قوم کی مادری زبان کون سی تھی؟ اگر ان کی مادری زبان آرامی تھی۔ تو پھر ارامی زبان میں انجیل کہاں ہے۔ جس کی منادی جناب مسیحؑ نے گلیل اور یہودیہ کے یہودیوں میں کی تھی۔ کیا آپؑ کے یہودی النسل شاگردوں نے آرامی زبان میں انجیل لکھی؟ اگر لکھی تو کیا اس کا نشان کہیں پایا جاتا ہے؟۔ جس کی مدد سے موجودہ یونانی انجیلوں کے غلط یا صحیح ہونے کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور ان میں جو الفاظ حضرت مسیحؑ سے منسوب ہیں۔ ان کے درست ہونے کا یقین حاصل کیا جا سکے۔ پھر موجودہ چاروں انجیلوں کے مصنف کون تھے؟ حضرت مسیحؑ سے کتنا عرصہ بعد پیدا ہوئے؟ اور آپ سے کتنے سال بعد انہوں نے اناجیل مرتب کیں؟ اگر انہوں نے یہ کتابیں روح القدس کی مدد سے لکھیں تو پھر ان میں اختلاف بلکہ تضاد کیوں پایا جاتا ہے؟ کیا روح القدس

کا حافظہ کمزور تھا؟ کہ مرقس، متی، لوقا اور یوحنا کو الگ الگ باتیں بتائیں یا ان انجیل نویسوں کی علمی و ذہنی صلاحیتیں اور قوتِ حافظہ و فہم کم و بیش تھیں؟ کہ چاروں اناجیل ایک دوسری سے متضاد ہیں؟

اگر ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ تو پھر ان میں کونسی ایک سچی ہے اور کونسی جھوٹی ہیں؟ اور جو انجیل سچی ہے۔ اس کی صحت اور درستی پر کیا دلائل موجود ہیں؟ پھر ان اناجیل کے تراجم میں ہر بار تبدیلی کیوں کر دی جاتی ہے جیسا کہ چند سال پہلے امریکہ میں چھپنے والی انجیل کے ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کو اصلاح کر کے شائع کیا گیا ہے اور اس میں عیسائیت کے بنیادی عقاید تک کو بدل دیا گیا ہے۔ کیا یہ انجیل میں تحریف ہے یا تصحیح؟ اور اگر تصحیح ہے تو پھر اس کی وجہ کیا ہے؟

اسی قسم کے سوالات ہیں۔ جو اسلامی مشن لاہور کی طرف سے پادری صاحبان سے دریافت کئے جا رہے ہیں۔ مگر وہ کمال ہوشیاری سے ان سوالات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ مگر قرآن کی صحت کے متعلق بے سروپا اعتراضات کر رہے ہیں۔ تاکہ انجیل سے توجہ ہٹ جائے۔ اور اس کی اصلیت کا بھانڈا تحقیق کے چوراہے میں ٹوٹ کر چکنا چور نہ ہو جائے۔

اسلامی مشن کی طرف سے ان کے اعتراضات کا مدلل اور مسکت جواب دیا جا رہا ہے۔ اور ہم ساتھ ہی پادریوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جو اعتراضات آپ قرآن مجید پر کر رہے ہیں۔ ان ہی کو انجیل پر وارد کر کے وضاحت کیجئے۔ یہ علمی بددیانتی ہے کہ ہمارے سوالات کو ترک کر کے محض قرآن سے متعلق سوالات کئے جائیں۔

پادری صاحب کے گذشتہ مکتوب کا جواب محترم بھائی منظور احسن عباسی نے بڑے معقول پیرائے میں "ایک پادری کے قرآن پر اوہام کا ازالہ" کے عنوان سے ایک رسالہ میں دیا ہے اور ساتھ ہی مطالبہ کیا ہے کہ پادری صاحب انجیل کی صحت پر بھی روشنی ڈالیں۔ جس کے جواب میں پادری صاحب کا ایک نیا مکتوب ملا ہے۔ جس میں وہ انجیل کے متعلق سوالات کا جواب تو گول کر گئے ہیں۔ اور قرآن سے متعلق بیشتر پہلے اعتراضات کو دُھرا دیا ہے۔

محترم بھائی منظور احسن عباسی صاحب لاہور سے باہر ہیں۔ اس لئے اُن کی عدم موجودگی میں ہم سطور ذیل میں پادری صاحب کی اہم باتوں پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی توقع کرتے ہیں۔ کہ وہ آئندہ مکتوب میں انجیل سے متعلق ہمارے سوالات پر روشنی ڈالیں گے۔ اور اگر انہوں نے جواب سے پہلوتہی کی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ اُن کے پاس کوئی جواب نہیں مگر وہ اظہارِ حق میں دوسرے پادریوں اور عقیدت مندوں سے خائف ہیں۔ حالانکہ یہ حق پرستوں کا شیوہ نہیں۔ نیز وہ وضاحت کریں کہ جو اعتراضات قرآن حکیم پر کر رہے ہیں۔ ان کی کتب مقدسہ پر وہ وارد نہیں ہوتے؟

۱ - مصحفِ عثمانی

پادری صاحب اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:-

"میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ یہ صحیفۂ عثمانی ہے۔ اب پھر لکھتا ہوں کہ یہ صحیفۂ عثمانی ہے۔ صحیفۂ محمدؐ نہیں ہے۔ آپ دلائل دیں اور کتابوں کا مطالعہ کریں۔"

۲۔ مصحفِ حفصہؓ "اس کو ابوبکرؓ صاحب کے زمانہ بادشاہت میں زید بن ثابتؓ نے جمع کیا تھا۔ پھر وہ زندگی بھر حضرت بی بی حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہا۔ مروان نے مانگا تو انہوں نے نہیں دیا۔ ان کی وفات کے بعد مروان نے عبداللہ بن عمرؓ سے مستعار منگوایا اور جلا ڈالا"

۳۔ بخاری کی روایت اپنے ان دو حوالوں کے ساتھ بخاری کی مندرجہ روایت کا بھی اضافہ کر لیجئے۔ ترجمہ پیش خدمت ہے :۔

"انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ کہ حذیفہ بن یمان عثمانؓ کے پاس آئے اور وہ شام والوں کو عراق والوں کے ساتھ ملا کر ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے لئے جنگ کا انتظام کر رہے تھے اور حذیفہ لوگوں کے اختلافِ قرأت کی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے۔ تو حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا۔ یا امیرالمومنین! اس اُمت کی خبر لیں۔ اس سے پہلے کہ وہ یہود اور نصاریٰ کی طرح قرآن میں اختلاف کریں۔ سو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ مصحف ہمارے پاس بھیجدیں۔ ہم اسے مصحفوں میں نقل کر کے پھر اسے آپ کو واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے اسے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیا۔ تو انہوں نے زید بن ثابتؓ عبداللہ بن زبیرؓ۔ سعید بن العاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا۔ انہوں نے اسے مصحفوں میں لکھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے قریش کے تین آدمیوں کے گروہ سے فرمایا۔ کہ جب تم میں اور زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن کی کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھو۔ کیونکہ وہ

انہی کی زبان میں اُترا ہے۔ تو اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اُنہوں نے قرآن کو مصحفوں میں نقل کیا تو حضرت عثمانؓ نے قرآن کو حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیا اور ہر علاقہ میں ایک نسخہ قرآن کا ان میں سے جو اُنہوں نے نقل کئے تھے۔ بھیج دیا اور اس کے سوا جو صحیفے اور مصحف تھے۔ ان کے متعلق حکم دیا کہ جلا دیئے جائیں (کتاب فضائل القرآن حدیث ۱۹۹۲)

پادری صاحب! ان تینوں حوالوں کو ملا کر پڑھیے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آنحضرتؐ کے صحابی حضرت خذیفہؓ کو عراقیوں اور شامیوں کی قبادت کا موقع ملا۔ اسلام کے مراکز مکہ اور مدینہ سے ایک ہزار میل دُور رہنے والے ان قبائل میں قرآن حکیم کے بعض الفاظ کے تلفظ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اگر اس اختلاف کو بڑھنے دیا جاتا تو دینی مرکز سے دوری کی وجہ سے اختلاف قرأت کا بڑھ سکتا تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی تحریفِ قرآن کا شکار ہو جاتے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے صرف اس قدر کیا۔ کہ حضرت حفصہؓ کے پاس حضرت صدیق اکبرؓ نے جو قرآن مجید اپنے ابتدائی زمانہ میں لکھوا کر رکھا تھا وہ منگوایا۔ چار کاتبانِ وحی اصحابِ رسولؐ کو بلایا۔ مصحفِ حفصہؓ ان کے حوالے کیا کہ وہ اس کی نقلیں تیار کریں۔ جب نقلیں تیار ہوئیں تو حضرت عثمانؓ نے اصل قرآن حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیا اور تیار کردہ نقول بڑے بڑے اسلامی شہروں کو بھجوا دیں تاکہ آئندہ دور دراز علاقوں کے رہنے والے مسلمان ان کی نقول اپنے پاس

رکھیں۔ اور اختلاف کا سدِ باب ہو جائے۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف قرأت اسلام کے مرکز حجاز میں نہ تھا۔ بلکہ دور دراز کے سرحدی علاقوں عراق اور شام کا تھا۔ اور اسے بھی دور کر دیا گیا۔

اب منصف مزاج ارباب دانش بتائیں کہ یہ قرآن مصحفِ عثمان کیسے ہوا۔ کیا حضرت حفصہؓ کا قرآن حضرت عثمانؓ نے لکھوایا یا لکھا تھا؟ کیا نقول کی تیاری کے وقت اس میں ردّ و بدل کیا تھا؟ اگر یہ بات خلاف واقعہ ہے تو موجودہ قرآن کو مصحفِ عثمان کہنا کہاں کا انصاف اور دیانت ہے۔ حضرت عثمانؓ کے ذاتی مطالعہ میں جو قرآن تھا۔ اور جس پر شہادت کے وقت آپ کے خون کے قطرے گرے تھے۔ وہ آپ کا ذاتی تحریر کردہ نسخہ تھا اور جو آج تک روس میں محفوظ ہے۔ اس قرآن شریف میں اور ان نسخوں میں جو عالمِ اسلام کو بھیجے گئے اور جو تمام دنیا میں پڑھتے چلے گئے۔ کوئی فرق نہیں۔ جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا سر چشمہ آں حضرت صلعم کی ذات اقدس تھی۔ جن سے دونوں نے استفادہ کیا۔ اور یہ قرآن در اصل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کردہ تھا۔ جو مسلمانوں کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔

پس موجودہ قرآن مصحفِ عثمانؓ نہیں۔ بلکہ مصحفِ ابوبکرؓ کی نقل ہے جو عام روایت کے مطابق وفاتِ نبویؐ کے پانچ چھ ماہ بعد جنگِ یمامہ میں بہت سے حافظانِ قرآن کی شہادت کے پیشِ نظر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کے مشورے سے حیطۂ تحریر میں لایا گیا۔

اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا گیا۔

پھر جنگِ یمامہ میں تمام حافظانِ قرآن شہید نہیں ہو گئے تھے۔ اور کئی ایک عاشقانِ قرآن کے پاس بھی اپنا اپنا قرآن موجود تھا۔ اور ہزاروں کو زبانی یاد تھا۔ جو یقیناً ان اصحابِ رسول نے جنگِ یمامہ سے چھ ماہ قبل آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ میں لکھا یا حفظ کر لیا تھا۔ کیونکہ حفظِ قرآن میں کم از کم تین چار سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ پس "مصحفِ عثمانؓ" نہ تو مصحفِ عثمانؓ یا مصحفِ ابوبکرؓ یا (مصحفِ حفصہؓ) تھا۔ بلکہ مصحفِ محمدؐ (کلامِ الٰہی) تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے قلبِ مطہر پر اتارا۔ جسے آپ کی نگرانی، ہدایت اور تربیت کے مطابق صحابہ نے لکھا اور حفظ کر لیا۔ اور "مصحفِ عثمانی" کی تیاری سے سالوں پہلے عہدِ فاروقی میں عالمِ اسلام کی مساجد میں ماہ رمضان میں تراویحوں میں الحمد سے والناس تک پڑھا جاتا تھا۔ اور مسلمان تہجد۔ نمازِ فجر، دیگر نمازوں اور دن کے فارغ اوقات میں اس کی تلاوت کرتے تھے۔

پھر جب حضرتِ عثمانؓ نے محض "مصحفِ حفصہؓ" کی نقول کروا کر ہی بھیجیں اور یہ نقول دوسروں نے کیں۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ حضرتِ عثمانؓ نے "سورتوں کی ترتیب وجوہ قراءت وغیرہ میں تصرّف کیا"! کچھ تو سوچ کر لکھیے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب حکمِ الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ)

یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اس کی قراءت ہمارے ذمے ہیں۔ اسی طرح سورہ قصص

میں ہے۔ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ٥
تحقیق ہم نے اپنا کلام ایک ترتیب سے ملا کر پیش کر دیا ہے۔ تا کہ وہ سبق حاصل کریں"

(برادرم! آپ بڑے شوق سے اعتراض کیجئے۔ لیکن اپنا علم پختہ کیجئے کہیں غلطی کی وجہ سے مزید ٹھوکر نہ کھائیں)

ان حقائق کی موجودگی میں پادری صاحب کی اس تعلی کی کیا حقیقت ہے۔ کہ میں اب پھر لکھتا ہوں کہ یہ صحیفۂ عثمانؓ ہے"

آپ نے ۱۔ مصحفِ عائشہؓ بی بی ۲۔ مصحفِ عبداللہ بن مسعودؓ ۳۔ مصحفِ علیؓ ۴۔ مصحفِ حفصہؓ ۵۔ مصحفِ عثمانؓ کا ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کہ ان کے پاس اپنے اپنے قرآن تھے۔ جو عبارت کے لحاظ سے الگ الگ تھے۔ وہ کیوں؟ یہ پانچوں بزرگ قریشی تھے۔ ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے۔ آنحضرتؐ کے قریبی تھے۔ سب نے قرآن آنحضرت سے سُنا اور بار بار سنا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے قرآن ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ مکہ اور مدینہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔ ایک دوسرے سے بھی ملتے تھے۔ اور کبھی ایک دوسرے سے کسی قرآنی اختلاف کا اشارہ تک نہ کیا۔ کیا لوگوں کے پاس گھروں میں قرآن یا دوسری کتابوں کی الگ الگ ذاتی جلدیں نہیں ہوتیں اور کیا محض الگ الگ جلدیں ہونے کی وجہ سے کتابوں کا متن بدل جاتا ہے۔ تعصب برتئے مگر اس قدر کہ آپ کی علمیت اور دیانت پر حرف نہ آئے۔

جب حضرت حفصہؓ کے پاس قرآن لکھ کر رکھا گیا۔ تو کیا کسی نے اُن سے اختلاف کا ذکر کیا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ نے "مصحفِ حفصہؓ" کی نقول کروائیں تو دوسرے بزرگوں نے ان سے اختلاف کا اعلان کیا۔

کیا حضرت عثمانؓ نے عائشہ صدیقہؓ، علی مرتضیٰؓ۔ عبداللہ مسعودؓ اور حضرت حفصہؓ سے ان کے مصحف لے کر جلا ڈالے تھے؟ اور کیا جب حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے قرآن لے کر اس کی نقول کروائیں۔ اور دوسرے ملکوں کو بھجوائیں۔ تو ان چاروں بزرگوں یا دوسرے مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی کہ قرآن کو کیوں بدل دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو "مصحفِ عثمانؓ" قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ تاریخ میں کسی ایسی بات کا عدم ثبوت ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ تمام باتیں مجوسی اور یہودی اقوام کا معاندانہ پروپاگنڈہ تھا۔ جسے اسلام دشمنی کی بنا پر پادریوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ بھی احمقانہ بات ہے کہ مروان بن حکم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت حفصہؓ والا مصحف منگوایا اور جلا ڈالا۔ جب مروان کے پاس بھی حضرت حفصہؓ کے قرآن کی نقل تھی تو پھر اسے منگوا کر جلانے میں کیا تک تھی؟ ورنہ

مسلمان ابتداء ہی سے ایک قرآن پر قائم تھے۔ اور یہی قرآن تھا جو حضرت علیؓ اور بعد کے زمانے میں ہر سال ماہ رمضان میں صلوٰۃ تراویح میں ہزاروں مساجد میں ہزاروں حفاظ پڑھتے اور سنتے تھے۔ اور اسی طرح حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس کے جلائے جانے کی داستان محض افسانہ ہے۔ جسے کوئی نادان ہی قبول کرے گا۔

ہم "جمع قرآن" کے مسئلے پر اس سے پہلے اپنے دو رسالوں "زندہ جاوید قرآن"

اور "پادری صاحب کو ہذیان کا دوبارہ دورہ" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ قارئین اسلامی مشن سنت نگر لاہور سے منگوا کر ان کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔

مقام حیرت ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم کے اپنے اپنے حلقہ ہائے درس تھے۔ جہاں ان کے ہزارہا شاگردوں نے ان میں قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کی۔ اور ان میں سے کسی نے بھی ان کے قرآنوں کو محفوظ نہ رکھا۔ کیونکہ وہ الگ الگ قرآن تھے ہی نہیں بلکہ ایک ہی کتاب اللہ کی نقول تھیں۔ مگر آج کل بعض لال بجھکڑ ان مفروضہ قرآنوں کی داستان سرائی کر رہے ہیں۔ پادری صاحب کی حالت قابلِ رحم ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ وہ دنیائے اسلام میں گھوم جائیں اور ان مختلف مصحفوں کی تلاش کریں اور اگر کہیں بھی اصلی صحف یا ان کی کوئی مکمل یا جزوی نقل مل جائے تو اسے موجودہ قرآن کی تردید میں پیش کریں۔ ورنہ خاموش رہیں۔

صداقتِ قرآن

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ

اور اگر تم کو شک ہے اس کلام میں جو اتارا ہم نے اوپر اپنے بندے کے پس لے آؤ ایک سورت مانند اس کے

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور دعوت دو شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے اگر تم سچے ہو

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا

پس اگر نہ کر سکو گے اور ہرگز نہ کر سکو گے پس ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ (البقرۃ)

آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے

جب یہ بات واضح ہے کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا۔ اور جسے نبی اکرمؐ کی تلقین اور جذبۂ ایمان کے ماتحت ایک طرف ہزاروں انسانوں نے حفظ کر کے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ اور دوسری طرف لکھ کر نہ صرف گھر گھر اس کا مطالعہ کیا۔ بلکہ درس و تدریس اور تحریر کے ذریعے عالم اسلام میں پھیلانے کا انتظام کیا۔ تو پھر یہ کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں کے مطابق سورہ الحمد، معوذتین یا کوئی دوسری آیت قرآن کا حصہ نہ تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ روزِ اول سے امتِ مسلمہ موجودہ قرآن پر متفق ہے۔ اسی کو پڑھتی ہے اور اس کے سوا دنیا میں کسی دوسرے مختلف قرآن کا وجود نہیں فھل من مدّکر

اعرابِ قرآن

برادرم! جب ہم کوئی جملہ یا لفظ زبان سے ادا کرتے ہیں۔ تو اعراب (زبر، زیر، پیش وغیرھم) اس کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ اپنے ہی مکتوب کے اس فقرہ کو لیجیے

"اعراب الہامی نہیں بلکہ حجاج بن یوسف نے لگوائے"

آپ اس فقرہ کو زبان سے ادا کریں یا اعراب کے بغیر کاغذ پر لکھ دیں۔ اعراب اس کا لازمی حصہ ہیں۔ چنانچہ آپ اس فقرہ کا تلفظ یوں کریں گے۔

"اَعْرَابْ اِلْہَامِیْ نَہِیْں۔ بَلْکِہْ حَجَّاجْ بِنْ یُوْسُفْ نِے لَگْوَائے"

آپ اہلِ زبان ہیں۔ اعراب کی ادائیگی میں غلطی نہیں کریں گے۔ خواہ اس جملے پر اعراب نہ بھی ہوں۔ ایک اور مثال لیجئے انجیل مقدس میں حضرت مسیحؑ کے الفاظ ہیں۔ ایلی ایلی لما شبقتنی۔ جو شخص ان الفاظ کی حقیقت سے

واقف ہے۔ وہ انہیں یوں پڑھے گا اُملِیْ۔ اُمْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ۔
(عربی کے مطابق اُملی لما) کسی ایسے شخص کے لیئے اعراب لگانے کی ضرورت
نہیں تاہم الفاظ اعراب سے خالی نہیں ہوتے۔ اسی طرح الحمد للہ رب العالمین
تو ایک اہلِ زبان صحتِ اعراب کو ملحوظ رکھ کر یوں پڑھے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ خواہ اعراب لگے ہوں یا نہ لگے ہوں۔ مگر جو شخص زبان کے
اسلوب سے ناواقف ہوگا۔ وہ اعراب کے لکھا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے غلطی
سے نہیں بچ سکتا۔

جہاں تک قرآن کا تعلق اہلِ زبان سے تھا۔ ان کو اعراب کی چنداں
ضرورت نہ تھی۔ وہ اعراب کے بغیر ہی اس کو پڑھ سکتے تھے۔ ان کو لَمَّا اور
لِمَا کا فرق معلوم تھا۔ لیکن غیر عرب نومسلم عربی زبان سے ناآشنا تھے۔ ان
سے قرآن حکیم پڑھتے وقت غلطیاں سرزد ہوتی تھیں۔ اس لئے حجاج بن
یوسف نے قرآن کو صحت کے ساتھ پڑھنے کے لیئے ان لوگوں کی سہولت
کی خاطر الفاظ کو اعراب کی علامات سے ظاہر کر دیا۔ جو آیاتِ قرآنی کے
تلفظ میں پوشیدہ تھیں اور ان کا جزوِ لاینفک تھیں۔ حجاج نے قرآن میں اضافہ
نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسی کے تلفظ کو اعراب کے ذریعے ظاہر کر دیا تھا۔ رہا رسم الخط۔
تو رسم الخط تو وقت گذرنے کے ساتھ اصلاح پاتا جاتا ہے۔ حروف تہجی آج بھی
وہی ہیں۔ مگر ان کی کتابت حسین تر ہو گئی ہے۔ جو کوفی رسم الخط اسلام کے دورِ اوّل
میں مروج تھا۔ اس دور کے لوگ اس رسم الخط میں قرآن حکیم کو اسی صحت اور
روانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ جس طرح کہ آج ہم موجودہ اصلاح یافتہ صورت

نسخ اور نستعلیق کو روانی سے پڑھ لیتے ہیں ۔ اور وہ کوئی رسم الخط قرآن تک ہی محدود نہ تھا ۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رسم الخط میں سلاطین، رؤسا، قبائلی سرداروں وغیرہم کو خطوط لکھے ۔ اور ان لوگوں نے کبھی یہ شکایت نہ کی کہ ہم اس رسم الخط کو نہیں پڑھ سکتے ۔ پس مسلمانوں کو نہ تو کبھی اس رسم الخط سے شکایت ہوئی اور نہ ہی اعراب کا گلہ ۔ بلکہ اعراب کے لگنے سے دنیا کا ہر مسلمان حروفِ تہجی جان لینے کے بعد الہامی کتاب کو پڑھ لیتا ہے ۔ اور اس سے تسکین پاتا ہے ۔ جو دوسروں کو میسر نہیں ۔

ایک مقام پر پادری صاحب لکھتے ہیں ۔ "اس سوال کو بھی آپ نے مانا کہ قرآن میں بے موقع محل کہانیاں ہیں وہ بھی جن کا سر پیر نہیں ۔ اصحاب کہف، اور خضرؑ سے موسیٰؑ کی ملاقات، ذوالقرنین کا سفر، ایمان سے بتائیں کہ کیا یہ سب جعلی قصے نہیں ہیں؟"

اس مختصر سی عبارت میں جناب پادری صاحب نے متانت، صداقت اور حقیقت کا دامن ترک کر دیا ہے ۔ ہم دریافت کرنے کی جسارت کرتے ہیں ۔ کہ کیا انجیل میں فرضی واقعات نہیں ۔ اگر نہیں تو پھر جناب مسیحؑ نے جو تمثیلیں بیان کیں وہ حقیقی واقعات پر مبنی تھیں یا جناب مسیحؑ نے بات کو عام فہم بنانے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا ۔ اور آج تو افسانوی انداز کو اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کا مؤثر ذریعہ شمار کیا جاتا ہے ۔

قرآن حکیم نے بھی حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے واقعات کی عکاسی کی ہے۔ البتہ قرآن حکیم نے تاریخی واقعات کو بطور سند و دلیل پیش کیا ہے مفروضوں پر انحصار نہیں کیا۔ تاکہ قومیں اپنے پیش رووں کے واقعات سے سبق حاصل کریں۔ ان کے اچھے عمل کی اتباع کریں اور خرابیوں سے بچیں۔ اور افراد اور اقوام کے انجامِ بد سے عبرت حاصل کریں۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جناب مسیح نے انجیل میں جو تمثیلیں پیش کیں۔ ان میں سے بعض تو نہ صرف عوام اور آپ کے چہیتے، تربیت یافتہ، روح القدس کے مؤید بارہ شاگردوں کی فہم سے بھی بالاتر تھیں۔ بلکہ مسیح کا منشا بھی یہی تھا کہ لوگ انہیں نہ سمجھیں۔ اس انداز کا آپ کیا نام رکھیں گے۔ ذیل کے انجیلی حوالے دیکھئے

"جب وہ اکیلا رہ گیا تو اس کے ساتھیوں نے ان بارہ سمیت اس سے ان تمثیلوں کی بابت پوچھا۔ اس نے ان سے کہا۔ کہ تم کو خدا کی بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے لئے جو باہر ہیں تمام باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں۔ اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں۔ اور معافی پائیں۔" (مرقس ۴: ۱۰-۱۲)

شاید اسی موقعہ پر کہا گیا ہے۔ کہ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

اس وقت وہ بھیڑ کو چھوڑ کر گھر میں گیا اور اس کے شاگردوں نے اس کے پاس آکر کہا۔ کہ کھیت کے کڑوے دانوں کی تمثیل ہمیں سمجھا دے

(متی ۱۳: ۳۶)

لیکن جس وقت سب لوگ ان کاموں پر جو وہ کرتا تھا۔ تعجب کر رہے تھے اس نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ تمہارے کانوں میں یہ باتیں پڑی رہیں کیونکہ ابن آدم آدمیوں کے ہاتھ میں حوالے کئے جانے کو ہے۔ لیکن وہ اس بات کو نہ سمجھتے تھے

پادری صاحب! آپ ان اقتباسات پر غور کیجئے۔ کہ مسیح کے سامعین کو ان تمثیلوں کا سر پیر نظر آیا۔ یا انہوں نے ڈرتے ہوئے انہیں یونہی قبول کر لیا۔ یاد رہے کہ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں۔ بلکہ اس نے مخاطبوں اور دوسری اقوام کو سمجھانے کے لئے حسب ضرورت ان واقعات کا ذکر کیا۔ جن سے وہ شناسا تھے۔ اور بعض غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کی حیات اور تعلیمات کے انہی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے آپ کے دشمن یہود اور آپ کے بھٹکے ہوئے پیروؤں کی اصلاح مقصود تھی۔

اصحاب کہف، ذوالقرنین، موسیٰ و خضرؑ کوئی فرضی ہستیاں نہ تھیں۔ ان کا تاریخی وجود تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیسائیوں مجوسیوں اور یہودیوں میں ان کا تذکرہ عام تھا۔ ان کے بارے میں اختلافات موجود تھے۔ اور اس دور کے لوگوں نے آنحضرتؐ سے بھی ان ہستیوں کے بارے میں وضاحت چاہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت بیان فرمائی۔ اور چونکہ ان واقعات کا باہم گہرا ربط تھا۔ اس لئے انہیں یکجا بیان کیا۔ اور ان کے بعد کے زمانے پر مرتب ہونے والے اثرات کا بھی ذکر کیا۔ ان واقعات میں سے اصحاب کہف کا تعلق عیسائیوں سے تھا۔ ذوالقرنین کا واسطہ

مجوسیوں اور یہودیوں سے تھا۔ اور موسیٰؑ و خضرؑ کا تعلق یہودیوں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بیان کردہ واقعات کی موجودگی کا انکار اس دور کے عیسائیوں، مجوسیوں اور یہودیوں میں سے کسی نے نہ کیا۔ قرآن کا مقصد حقائق کا بیان کرنا تھا۔ چنانچہ عرب ایران اور شام وغیرہ کے ان تمام عیسائیوں، مجوسیوں اور یہودیوں نے تصدیق کی جو قرآن کی صداقت پر ایمان لائے۔ اور آج اگر ہمارے زمانے میں ایک "نابغۂ روزگار" پادری ان کی صحت کا منکر ہے۔ تو اللہ اس پر رحم کرے

اس تحریر میں اشارات سے کام لیا جا رہا ہے۔ سورۂ کہف ہی میں ان واقعات کی اہمیت کا تذکرہ موجود ہے۔

ان واقعات کی اہمیت اور غایت قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:-

"اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بار بار پیش کی ہیں اور انسان بہت ہی جھگڑالو ہے۔" (کہف)

قرآن حکیم نے سورۂ کہف کے واقعات کو عام لوگوں کی ہدایت اور مسلمانوں کو ایمان پر استحکام کے لئے نازل کیا ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ تر زور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی قدرت اور اس کی خوشنودی اور رضا کے حصول پر دیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کے اوہام کی تردید کی گئی ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ترک کر کے اس کی مخلوق کو صفات و ذات خداوندی میں شریک کر لیا۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں فرمایا ہے۔

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ وہ عاجز ہے۔ کہ اس کا کوئی مددگار ہو۔

اور اس کی بڑائی بیان کر جو حق بڑائی بیان کرنے کا ہے۔" (بنی اسرائیل : ۱۱۱)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس کے لئے کوئی کجی نہ رہنے دی۔ قائم رکھنے والی۔ تاکہ اس کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان مومنوں کو خوش خبری دے۔ جو اچھے عمل کرتے ہیں۔ کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرنے والے ہیں۔ اور انہیں ڈرائے جو کہتے ہیں۔ اللہ نے بیٹا بنا لیا انہیں اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔ اور نہ ان کے بڑوں کو تھا۔ بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ وہ محض جھوٹ کہتے ہیں۔ تو کیا تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دے گا۔ اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔" (کہف ۱۔۶)

اصحاب کہف

اصحاب کہف عیسائی مومن تھے۔ جنہوں نے حق کی خاطر وطن چھوڑا۔ اور ایک غار میں پناہ لی۔ اور بالآخر ان کا مشن کامیاب رہا۔ اس کا ایک بڑا مقصد مسلمانوں کو ایسے ہی حالات کے لئے تیار کرنا تھا۔ یہی واقعہ مسلمانوں کو پیش آیا۔ انہوں نے مدینہ میں پناہ لی۔ اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ مگر ان ہی اصحاب کہف کے بعد آنے والے عیسائیوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر گئے۔

دو زمیندار - اس کے بعد ایک نیک اور ایک منکر زمیندار کا ذکر ہے ان میں سے ایک کا اللہ کی ذات پہ کامل ایمان تھا۔ مگر دوسرا دولت اور طاقت کے نشے میں خدا سے بے پرواہ تھا۔ حتیٰ کہ ایک زمیندار کی فصل تو محفوظ رہی اور خدا کی

بھروسہ نہ کرنے کی وجہ سے دوسرے کی کھیتی اُجڑ گئی۔ وہ بھی درحقیقت مشرک تھا۔ اور اپنے انجام کو پہنچا۔

موسیٰؑ و خضرؑ

قرآن حکیم میں خضر کا نام تو نہیں ملتا۔ تاہم ایک ایسے دانا شخص کا ذکر ملتا ہے جس کے پاس حضرت موسےٰؑ حکمت سیکھنے گئے۔ اس واقعہ سے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے۔ کہ ذی علم کے اوپر دوسرا اہلِ علم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علیم ہے۔ اس واقعہ میں بھی جہاں یہود کے اس عُجب کو توڑا ہے۔ کہ موسیٰؑ سے بڑا کوئی نہیں ہوُا۔ نہ ہوسکتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کو جتلایا ہے۔ کہ خود موسیٰؑ کے زمانہ میں ایسا شخص موجود تھا۔ جو ان سے زیادہ دقیق النظر اور مقرب الی اللہ تھا تو دوسری طرف آنحضرتؐ کے زمانے کے یہود کو بتایا کہ اگر تمھارے زمانے میں موسیٰؑ ایسا عظیم الشان نبی آگیا ہے۔ تو اس کا انکار نہ کرو جس خدا نے موسیٰؑ کو اعلیٰ تعلیم دے کر بھیجا۔ اسی نے آج بدلے ہوئے حالات میں ایک عظیم تر نبی بھیجا ہے۔ اس لیئے اس کا انکار نہ کرو۔

ذوالقرنین

حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح ایران میں بھی ایک صاحب شوکت و عظمت بندہ خدا سائرس اعظم ہوگذرا ہے جس نے یہود کو اہلِ بابل سے نجات دلائی ہیکل سلیمانی کو دوبارہ بنوایا یہودیوں کو دوبارہ فلسطین میں آباد کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مشرق، مغرب اور شمال میں بسنے والے لوگوں کو بیرونی خطرات سے محفوظ کر کے انہیں مذہبی آزادی عطا کی۔ لیکن وہ پھر بھی ایک انسان تھا۔ جس نے اقتدار کے باوجود تکبر نہ کیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں پر واضح کیا۔

کہ تمہیں اقتدار ملیگا۔ مگر تم بھی ذوالقرنین کی روش اختیار کرنا۔ اور عظمت کے زعم میں تکبر نہ کرنا۔

خلاصہ :- یہ تینوں واقعات بیان کرکے قرآن نے ایک خطرے سے آگاہ کیا ہے کہ خدا کے بندوں کے سیاسی اقتدار، تعلق باللہ، علمی فضیلت، خوشحالی۔ خدمتِ خلق اور دینی قیادت کے باوجود ان کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ سب خدا کی قدرت کے نشانات (کلمات اللہ) ہیں۔ خدا کے شریک نہیں۔ بلکہ اسی کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں امتِ مسلمہ کو پہلوں کی غلطیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کے عظیم نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے کہلوایا۔

"کہہ دے میں تو صرف تم جیسا (اولادِ آدم میں سے) ایک بشر ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے چاہیئے کہ وہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے۔" (کہف: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلے بندگانِ خدا اور ان کے نام لیواؤں کی تاریخ تھی۔ کہ جب وہ اللہ کے نیک بندے دنیا سے گئے تو ان کے پیروکاروں نے ان سے خدا کی صفات منسوب کیں۔ اور مشرک بن کر اپنے مقامِ شرف و بزرگی سے گر گئے۔ اس لئے یہاں تاکید کی غرض سے آنحضرتؐ کی زبان سے کہلوایا۔ کہ میں تمہاری طرح نسلِ آدم ہی کا ایک فرد ہوں۔ اس لئے مجھے یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔

پادری صاحب سے گذارش ہے کہ ایسا کوئی اعتراض قرآن پر نہ کریں جس کی زد توریت و انجیل پر بھی پڑتی ہو۔ اور اگر وہ خلوصِ نیت سے قرآن پر غور کریں گے۔ تو یقیناً اسے توریت و انجیل کی تعلیمات سے زیادہ ہمہ گیر، عظیم تر اور ارفع و اعلیٰ پائیں گے۔

مسیحؑ کا زندہ ہونا

آپ لکھتے ہیں "مسیحؑ مردوں میں سے جی اٹھا یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے۔"

یہ تاریخی واقعہ نہیں۔ انجیل سے تو اسی قدر ثابت ہے کہ مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ پیلاطوس اور یوسف آرمتیہ کی تدبیر سے آپ صلیب پر بے ہوش ہو گئے۔ اور گو آپ کے جسم میں خون متحرک تھا۔ مگر آپ کو ہڈیاں توڑے بغیر صلیب سے اتارا گیا۔ رشتہ داروں کی بجائے آپ کو یوسف ہی کے حوالے کیا گیا۔ جس نے آپ کو اپنے باغ میں رکھا۔ وہاں سے آپ ہوش میں آ کر مالی کا بھیس بدل کر شاگردوں سے جا ملے۔ اور ان التجاؤں کی بدولت جو آپ نے گرفتاری سے قبل کی تھیں لعنتی صلیبی موت سے بچ گئے۔ ورنہ آپ نے تو انہیں جھوٹوں کی لعنتی موت مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی

پنڈت دیانند کی پیروی

پادری صاحب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے متعلق اپنی عربی دانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "قرآن مخلوق کا کلام ہے۔ بسم اللہ۔ شروع کرتا ہوں اللہ

کا نام لے کر۔ خدا بھی اپنا نام لے کر شروع کرتا ہے "۔

اس قسم کے بودے اعتراض پنڈت دیانند نے اپنی تصنیف ستیارتھ پرکاش میں کئے تھے۔ اور اب پادری صاحب ایک دشمنِ حق کے اُگلے ہوئے کو چبا رہے ہیں پادری صاحب سے کوئی پوچھے کہ بسم اللہ کے معنی کس عربی لغت کی رو سے "شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر" بنتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں "اللہ کے نام سے جو بہت زیادہ اور بار بار رحم کرنے والا ہے"۔ یعنی انسان جو بھی اچھا کام کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیت کو ملحوظ رکھے اور کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہے۔

قرآن حکیم میں بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ کے الفاظ حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب ہیں۔ جو آپ نے ملکۂ سبا کو ایک مکتوب کی ابتداء میں درج کئے۔ اور جب ملکہ سبا کو یہ مکتوب ملا۔ تو اس نے درباریوں کو بلا کر کہا

"میرے پاس سلیمان کا خط آیا ہے۔ اور اس کا آغاز اللہ رحمان و رحیم (بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ) کے نام سے کیا گیا ہے"۔ یہی الفاظ قرآن حکیم کی سورتوں کے آغاز میں ہیں۔ اور یہی الفاظ ہر مسلمان ہر نیک کام شروع کرتے ہوئے ادا کرتا ہے۔ اسے اپنی کمزوری کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس لئے کام میں کامیابی کے لئے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ جس نے اسے بغیر کسی استحقاق اور محنت کے زندگی اور اس کی بقاء کیلئے تمام نعمتیں دیں۔ اور اب وہی اپنی رحمت سے اس کے کام میں برکت ڈال سکتا ہے اور اس کی تکمیل کی توفیق دے سکتا ہے۔ فارسی زبان میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے،

"بنامِ خدائے بخشندہ مہرباں"

فارسی کے ایک شاعر نے اپنی کتاب کا یوں آغاز کیا ہے:،

بنامِ خداوندِ جاں آفریں
حکیمے سخن بر زباں آفریں

پاکستان کے قومی شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اپنے شاہنامۂ اسلام کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے جو "اسی کے نام سے آغاز ہے اس شاہنامے کا" دراصل اللہ کے نام سے پہلے ہیں۔ تو۔ وہ کا ذکر خدا کی شان کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ کی صفات اور قدرتوں کا ذکر ہے ان سے پہلے کسی انسان یا دوسری مخلوق کا ذکر نہیں آتا۔ یہ اللہ کی عظمت کا تقاضا ہے۔

ہم تو پادری صاحب کو بھی یہی مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ جب بھی کوئی اچھا کام کرنے لگیں، تو بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم پڑھ لیا کریں۔ اللہ ان کے کام میں برکت ڈالے گا، اور خداوند مسیح کو پکارنا چھوڑ دیں کیونکہ وہ تو خود اللہ تعالیٰ کو امداد کیلئے پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے" کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو ہم جیسے کمزور انسانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں مسخرہ پن کی کہاں گنجائش ہے۔

ایک اور طفلانہ استدلال

بِسْمِ اللہ کے ضمن میں آپ لکھتے ہیں:۔ "پھر معراج کا سفر سبحان اللہ سے شروع کرتا ہے۔ خدا اپنے ہی منہ میاں مٹھو بنتا ہے۔"

پادری صاحب! آپ ہی بتائیے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے کہ نہیں؟ اگر ہے اور وہ اپنے آپ کو تمام کمزوریوں اور نقائص سے

پاک کہے تو آپ کو کیا شکایت ہے ؟ ۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا حاجت مند نہیں ۔ کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا وہ لوگوں کے سامنے اپنی تعریف کرے ۔ کیونکہ لوگوں کی طرف سے تعریف یا عدم تعریف اس کی ذات میں نہ اضافہ کرتی ہے ۔ اور نہ ہی کمی ، یہ تو انسان ہی کے فائدے کی بات ہے ۔ کہ وہ اللہ کو کماھو باسمائہٖ و صفاتہٖ پہچانے اور جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کی صفات سے باخبر ہوگا ۔ وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگا ۔ اور اسی قدر اس کی روحانیت ترقی کرے گی ۔

؎ قیمت و قدر شناسائی سے پہنچے ہے بہم
ورنہ قیمت میں نہیں خزف بھی گوہر سے کم

یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے اپنی ذات و صفات کو ہم پر عیاں کیا ، اور ہم اس سے محبت کرنے لگے ۔ اور جو لوگ صفاتِ خداوندی سے بے بہرہ ہیں ۔ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں ۔

معراج کے ضمن میں سبحان اللہ کا استعمال لادین کفار کی قدرتِ خداوندی سے جہالت کی وجہ سے استعمال ہوا ہے ۔ ان کے سامنے جب معراج کا ذکر ہوا تو ان کے وہم و گمان میں نہ تھا ۔ کہ کوئی شخص قدرتِ خداوندی سے آسمانوں تک جا سکتا ہے ۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے بندے کو سیر ہم نے کرائی ، اس لئے تمہارا انکار اللہ تعالیٰ سے بدگمانی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ قدرت کا مالک ہے ۔ اور اس کمزوری سے پاک ہے ۔ جو تم اس سے منسوب کرتے ہو ۔

آپ کتابِ مقدس کے درج ذیل حوالوں پر نظر ڈالیئے۔ یہاں مسیحی خدا بھی اپنے منہ سے میاں مٹھو بنتا نظر آئے گا۔

۱۔ خداوند خدا جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے۔ یعنی قادر مطلق فرماتا ہے کہ میں الفا اور اومیگا ہوں۔" (مکاشفہ یوحنا ۱: ۸)

کیا اس آیت میں مسیحی خداوند الفا اور اومیگا کہہ کر میاں مٹھو بنا ہے کہ نہیں؟

۲۔ رب الافواج تم کو فرماتا ہے۔ اے میرے نام کی تحقیر کرنیوالے کاہنو! بیٹا اپنے باپ کی اور نوکر اپنے آقا کی تعظیم کرتا ہے۔ پس اگر میں باپ ہوں تو میری عزت کہاں ہے؟ اور اگر آقا ہوں تو میرا خوف کہاں ہے۔"

(ملاکی ۱: ۶)

اس آیت میں خدا تحقیر سے ڈرتا، عزت کا بھوکا۔ اور لوگوں کو خائف کرنے کا خواہاں ہے! وائے خدا کی محتاجی پہ؟

۳۔ "لعنت اس دغاباز پر جس کے گلہ میں نر ہے۔ خداوند کے لئے عیب دار جانور نذر مان کر گزرانتا ہے۔ کیونکہ میں شاہ عظیم ہوں اور قوموں میں میرا نام مہیب ہے۔" (ملاکی ۱: ۱۴)

۴۔ "رب الافواج فرماتا ہے۔ اگر تم شنوا نہیں ہوگے اور میرے نام کی تمجید کو مدِنظر نہ رکھوگے تو میں تم کو اور تمہاری نعمتوں کو ملعون کردوں گا۔"

(ملاکی ۲: ۱)

کیا یہ رب الافواج۔ شاہ عظیم۔ تمجید کا بھوکا خدا، بڑا میاں مٹھو تو نہیں

پادری صاحب! کچھ مسیحیت کی عزت کا خیال کیجیے۔ مذہب پر رحم کھائیے اور اللہ تعالیٰ

کی پاک ذات کو تمسخر کا ہدف نہ بنایئے

قرآن کی قسمیں

پادری صاحب نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ایک اور احمقانہ اعتراض یہ کیا ہے :۔

"اور پھر تین کی قسم، زیتون کی قسم، طور سینا کی قسم، یہ بھی خدا قسم کھاتا ہے"

پادری صاحب مسلمانوں کے اللہ کی یہی تو رحمت اور بندہ نوازی ہے۔ کہ انسان پر جبر نہیں کرتا۔ بلکہ دلائل سے گم کردہ راہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے۔ اور ایسی چیزوں اور واقعاتِ عالم کو بطور دلیل اور شہادت پیش کرتا ہے۔ جن کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی بات کے متعلق کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو۔ تو پھر مخاطب سے یہی کہا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے سچا ہونے کی قسم کھاؤ اور اس کی قسم کو شہادت کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ یا اگر کوئی شخص اپنی صفائی کے لئے گواہ پیش نہ کر سکے۔ تو وہ خدا کی قسم کھاتا ہے۔ گویا کہ وہ اپنی صداقت پر خدا کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی بات کی قسم کھاتا ہے۔ تو وہ خاص ہمدردی اور رحم سے انسان کو دلائل کے ساتھ صداقت کا قائل کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے سورہ التین میں انسان کے متعلق بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی حسین بناوٹ کی ہے۔ مگر یہی احسن تقویم انسان کبھی تو اعمال صالح کر کے عروج پاتا ہے۔ اور کبھی بُرے کاموں کی بدولت انتہائی پستیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے التین، زیتون اور

طورِ سینا اور بلدِ امین کی قسم کھا کر انہیں بطور شہادت پیش کیا ہے۔ بائبل میں تین (انجیر) سے مراد یہودی قوم ہے۔ جسے کلامِ الٰہی دیا گیا۔ مگر وہ اپنی بدعملیوں کی بنا پر ہلاک ہو کر اسفل السافلین بن گئی۔ اور یہی تین کا درخت یہودی قوم تھی۔ جسے نیک اعمال کے پھل سے عاری پا کر حضرت مسیحؑ نے بددعا دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا۔ چنانچہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے بدی کے سلسلے میں بنی اسرائیل کی مثال پیش کی۔ زیتون کا حضرت مسیحؑ سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں زیتون سے مراد آپ کی تعلیم اور آپ کی امت ہے۔ مگر یہ قوم بھی گمراہ ہو گئی۔ اور آپ کی تعلیم کو خراب کر دیا۔ یہودیوں کے بعد قرآن نے عیسائیوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔

پھر زیتون سے مراد کلامِ الٰہی بھی ہے۔ جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔ اللہ نور السموات والارض کی مثال ایک چراغ سے دی گئی ہے۔ جس میں زیتون کا تیل روشنی دیتا ہے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ مسلمان امت نے نیک کام سے اس تیل کو محفوظ رکھ کر حیاتِ ابدی حاصل کر لی۔ اسی طرح طورِ سینا پر توریت اتری۔ تو مکہ کے بلدہ امین میں نزولِ قرآن ہوا۔ توریت کو تو اسرائیلیوں نے ضائع کر دیا۔ اور قرآن پاک کو امتِ مسلمہ نے سینے سے لگائے رکھا۔ اور خدا کی یہ گواہی تا ابد روشن ہے۔ پس یہودی اور نصرانی قوم اور مذہب کا اُتار اور توریت، انجیل اور قرآن کی تعلیمات کو انسان کے عروج و زوال کی تاریخ کے طور سے پیش کیا گیا ہے۔ پس قرآن میں اللہ تعالیٰ کی قسم ہم انسانوں پر رحمت ہے۔ جو اس نے حق و صداقت کو عام فہم کرنے کے لئے ہم پر کی۔

اور ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ اللہ نے مختلف پیرایوں میں قرآن کو آسان کر دیا۔ کاش مسیحی بھائی غور کریں۔

اہلِ کتاب سے پوچھ لو

پادری صاحب بہکی بہکی باتوں کے دوران کہتے ہیں:۔

"اور علامہ جی ہم تو آپ کے اُستاد ہیں فان کنت فی شک مما انزلنا الیک (پ۱۱ سورہ یونس آیت ۹۴) اگر اس کتاب کی طرف سے شک و شبہ میں ہوں۔ جنکو ہم نے آپ کے پاس بھیجا۔ تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ بے شک آپ کے پاس وحی آتی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں"

تبصرہ جناب پادری صاحب ہم جیسے انسانوں کے کیا معلّم ہوں گے آپ تو معلم الملکوت (فرشتوں کے بھی استاد) ہیں۔ اور اس پر آپ جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔ ویسے اس آیت میں یہود علماء کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آیت ۹۳ میں بنی اسرائیل کی خوشحالی اور اختلافات کا ذکر ہے۔ اور قرآن کا اشارہ انہی اہلِ کتاب کی طرف ہے۔ آپ اہل کتاب کب ہیں۔ آپ نے تو کتاب ہی غائب کر رکھی ہے۔ شریعت کو لعنتی قرار دے رکھا ہے۔ اور پہلے ہی حکمِ خداوندی کو رد کر کے ایک عورت کے شکم سے پیدا ہونے والے انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اور اب گرجا گھروں میں اس کے سامنے دو زانو ہو کر دعائیں مانگتے ہیں۔

انبیاء کے گناہ

قرآن عصمتِ انبیاء کا قائل ہے۔ مسلمان نبیوں کو معصوم مانتے ہیں۔ گناہ تو اللہ کے حکموں کی نافرمانی کا نام ہے۔ قرآن میں کہیں بھی اشارہ نہیں ملتا۔ کہ کسی نبی نے کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ وہ تو اللہ کے احکام منوانے آتے ہیں۔ اور خود احکام کی پابندی کا عمدہ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن میں 'ذنب' کا لفظ بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے لئے آیا ہے۔ خدا کی نافرمانی کے لئے نہیں۔ اور مغفرت غلطی کے بعد ہی نہیں غلطی سے پہلے بھی اس سے محفوظ رہنے کے لئے مانگی جاتی ہے۔ اور توبہ غلطی یا گناہ کے بعد دوبارہ نیکی کا راستہ اختیار کرنے کا نام ہے۔ سورہ انعام آیت ۹ میں حضرت ابرہیمؑ کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت یوسفؑ کی قرآن نے عظمت بیان کی ہے۔ کہ "وہ بھی ارادہ کر لیتا اگر اسے خدائی براہین کا علم نہ ہوتا۔ اور ان کی پاکدامنی پر تو اسی وقت گواہی مل گئی۔ آدم کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے۔ فنسیَ آدم فلم نجد لہٗ عزماً۔ آدم بھول کر شجرِ ممنوعہ کے پاس چلا گیا۔ اور اس کا ارادہ شامل نہ تھا۔ حوّا کو قصوروار نہیں کہا گیا۔

اس پر مکمل تبصرہ ہم نے پادری برکت اے خاں کے حالیہ جواب میں کیا ہے۔ آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ اسے پڑھ لیجئے۔ مگر آپ نے اپنی کتاب مقدس کا ذکر کیوں چھوڑ دیا ہے۔ کیا آپ کا عقیدہ نہیں کہ:۔

"نوحؑ نے شراب پی اور ننگے ہو گئے۔ لوطؑ کی بیٹیوں نے باپ سے شراب پلا کر زنا کیا تاکہ نسل چلے۔ یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے بدکاری کی۔ یعقوبؑ نے شریعت کے خلاف دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھا۔ داودؑ نے

اوریاہ کی بیوی کو گھر بلا کر اس سے زنا کیا۔ اور اوریاہ کو قتل کروا کر اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ جس سے سلیمانؑ پیدا ہوئے۔ سلیمانؑ نے ایک مشرک عورت سے شادی کر کے بُت پرستی کی۔ ہم دوسری مثالوں کو ترک کرتے ہیں۔ خود مسیحیوں نے حضرت مسیح پر یہ گندہ اتہام لگایا۔ کہ آپ مرتھا نامی فاحشہ عورت سے اپنے سر اور پاؤں پر قیمتی عطر لگواتے تھے۔ جس سے متنفر ہو کر ایک شاگرد نے آپ کو گرفتار کرایا اور باقی نہ صرف آپ کے ساتھ دعا میں شریک نہ ہوئے۔ بلکہ دشمن کے ہاتھوں گرفتاری کی حالت میں ساتھ چھوڑ گئے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)"

یہ سب کچھ ایک گندے عقیدے کے تحفظ کے لئے کیا گیا۔ کہ انسان فطرتاً گنہگار پیدا ہوتا ہے۔ نبی بھی گنہگار تھے اور ان سب کی نجات کے لئے گنہگار عورت کے شکم سے پیدا ہونے والے مسیح نے صلیب پائی

ہم پادری صاحب کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ قرآن پر کیچڑ اچھالنے کے لئے کسی مولوی کا ترجمہ پیش نہ کیجئے۔ قرآن اپنی وضاحت خود ہی کر لیتا ہے۔ اور اپنی تشریح کے لئے ترجمہ کا محتاج نہیں۔ یہ سعادت " انجیل کے حصے آئی ہے۔ جو خود تو غائب ہے۔ اور تراجم اور ہر دَور میں پادریوں کی تلبیس کے سہارے زندہ ہے اور وہ انجیل کو سہارا دینے کے لئے ہر دَور میں اس کے ترجمے میں کمی بیشی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی کوئی مذہب ہے کہ ابلیس کی بیساکھیوں کے سہارے زندہ ہے۔

ناسخ منسوخ

قرآن کے اندر نسخ نہیں۔ قرآن نے بعض پہلے نبیوں کے احکام کو منسوخ کیا ہے یا ان کو حالاتِ زمانہ

کے مطابق تبدیل کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے طلاق اور دیگر احکامِ توریت میں اصلاح اور تبدیلی کی۔ البتہ انبیاء دین کے اصول مثلاً توحید، روزِ جزاء و سزا اور اخلاقِ حسنہ میں تبدیلی نہیں کرتے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کی رائے قرآن پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ علماء میں تو صدہا باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے جو بات بھی کی جائے۔ وہ قرآن کے دائرہ کے اندر ہونی چاہیئے۔ اور اس لحاظ سے انجیل میں باہم تنسیخ بلکہ تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ طلاق کے سلسلے میں متی، لوقا اور مرقس تینوں میں اختلاف ہے۔ کیا آپ بتائیں گے۔ کہ ان تینوں میں اب کونسا حکم باقی ہے اور کون سے منسوخ ہو چکے ہیں۔ پھر چاروں اناجیل میں حضرت مسیحؑ کے صلیب پر آخری الفاظ میں اختلاف موجود ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ ان میں سچے کون سے ہیں۔ اور باقی کون سے جھوٹے اور ایجاد بندہ ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مولانا جلال الدین سیوطیؒ نے بیس آیات منسوخ قرار دی ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ نے پانچ کو منسوخ ٹھہرایا ہے۔ مگر دورِ حاضر کے علماء نے ان پانچ کی منسوخی کا بھی انکار کیا ہے۔ اور شاہ صاحب کی رائے کو غلط فہمی پر مبنی بتایا ہے۔

حضرت عمرؓ اور قرآن

قرآن حکیم ابدی صداقتوں کا مجموعہ ہے وہ کسی فرد کی رائے یا خواہش سے نازل نہیں ہوتا۔ "خدا اور عمرؓ" کی مرضی یکساں ہونے کا مفہوم اسی قدر ہے کہ حضرت عمرؓ دل میں وقت کے تقاضے کے زیر اثر کوئی خواہش پیدا ہوئی۔ تو دوسری طرف مشیتِ ایزدی کا تقاضا ہوا۔ کہ لوگوں کی بہتری کے لئے اسی ضمن میں وحی نازل کی جائے۔

عین ممکن ہے کہ دیگر نیک بندوں کے دلوں میں حالاتِ زمانہ سے متاثر ہو کر کئی باتوں کی خواہش پیدا ہوئی ہو ۔ اور وہ پوری ہو گئی ہو ۔ حضرت عمرؓ کی اس میں خصوصیت نہ تھی ۔ البتہ انہوں نے اظہارِ تشکر کے طور پر اس توارد کا اظہار کر دیا ۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ آج فلاں چیز مل جائے ۔ فلاں بات ہو جائے یا فلاں شخص آجائے تو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے ۔ تو اس پر کہتے ہیں آج تو کچھ اور بھی خواہش کرتے تو پوری ہو جاتی ۔ لیکن یہ اتفاقات ہیں کسی انسان کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا ۔ البتہ بعض وقت کسی بندۂ حق کی ایسی دعا بھی مقبول ہو جاتی ہے ۔ جو خلقِ خدا کی عام بہتری کے لئے ہو ۔ جیسا کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے دل میں آرزو اور تڑپ تھی
(البقرہ)

قرآن یکمشت نازل نہیں ہوا ۔ اس کے پیشِ نظر امتِ مسلمہ کی تدریجی نشو و نما اور تعلیم تھی ۔ تاکہ لوگ آہستہ آہستہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہو جائیں ۔ اسی لحاظ سے حضرت عمرؓ یا بعض اصحاب کے دلوں میں کسی ضرورت کے تحت طبعاً احکامِ خداوندی کی آرزو پیدا ہوتی ہوگی ۔ مشیتِ ایزدی جب دیکھتی کہ لوگوں کے دلوں میں نئے حکم کے قبول کرنے کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے ۔ اور اس کی حاجت بھی ہے ۔ تو پھر کوئی نیا حکم نازل ہو جانا تعجب کی بات نہیں ۔ دنیا میں جس قدر انبیاء آئے انہوں نے تمام تعلیم ایک ہی وقت میں نہیں دے دی تھی ۔ بلکہ اسے وقتاً فوقتاً پیش کیا ۔ اور لوگوں کے ذہن اسے قبول کرنے کو تیار رہتے تھے ۔ فھل من مدکر

قرآنی تضاد کی حقیقت

پادری صاحب لکھتے ہیں ۔ کہ قرآن کی سورہ کوثر میں آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے

لکھا ہے کہ تیرا دشمن بے اولاد رہے گا۔ تیری اولاد ہوگی۔ اور سورۂ احزاب میں ہے کہ محمدؐ کسی مرد کا باپ نہیں، اور ان دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے؟

بلاشبہ آنحضرتؐ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ لیکن قرآن حکیم کی سورۂ کوثر میں یہ نہیں لکھا کہ آپ کی اولاد ہوگی۔ لفظ ابتر کے لغوی معنی قطع کرنا ہے۔ اس لئے اس شخص کو ابتر کہا جاتا تھا۔ جس کا ذکر اس کے بعد منقطع ہو جائے۔ اور حدیث شریف میں ہر اس امر کو ابتر کہا گیا ہے جو اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے۔ اور یہاں ابتر کے معنی مقطوع الذکر ہیں۔ یعنی محدود نظر کفار مکہ یہ کہتے تھے۔ کہ چونکہ آنحضرتؐ کی اولاد نرینہ نہیں۔ اور ان کی نظر میں کسی شخص کا نام اور ذکر اولاد ہی سے باقی رہتا تھا۔ اس لئے چونکہ بیٹا نہ ہونیکی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد آپ کا کوئی نام نہ لے گا۔ اس لئے آپ کو محدود معنوں میں ابتر کہتے تھے۔ لیکن انہیں یہ یقین نہ تھا کہ آپ خدا کے نبی ہیں اور آپ کے ماننے والے تمام مسلمان آپ کے ذکر کو اولاد سے بڑھ کر نہ صرف باقی رکھیں گے۔ بلکہ تاقیامت پھیلاتے رہیں گے۔

پھر آپ امت کے روحانی باپ ہیں۔ اور جہاں جسمانی اولاد کے ہوتے ہوئے بھی بڑوں بڑوں کے نام وقت گذرنے کے ساتھ مٹ جاتے ہیں۔ وہاں اللہ کے بندوں بالخصوص انبیاء اللہ کا ذکر بلند رہتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کو تو رفعنا لک ذکرک (ہم نے آپ کا ذکر بلند کر رکھا ہے) کی بشارت مل چکی ہے۔ اور دنیا میں آپ ہی وہ نبی اللہ ہیں۔ جن کا ذکر مبارک صدیوں سے اذانوں، نمازوں درود وصلات، حج، تلاوتِ قرآن اور ہر مسلمان کی زندگی میں قدم قدم پر بلند ہوتا رہتا ہے۔ پس قرآن کی ان آیات میں تضاد نہیں۔ موافقت ہے

آنحضرتؐ کے کافر معترضین کا اس زمانے میں اطمینان ہو گیا تھا۔ اور وہ آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں آپ کی صداقت پر ایمان لے آئے تھے۔ خدا آپ کو بھی توفیق بخشے۔

آپ سے یہ پوچھ لوں کہ صلبی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جناب مسیحؑ ابتر تھے۔ یا روحانی اولاد ہونے کی وجہ سے کفار مکہ کی نظروں میں ابتر کی تعریف سے منزہ بلند اور زندہ جاوید رسول کریمؐ کی ذات بابرکات تھی۔

دوسرا اختلاف "دوسری آیت دیکھیں" اس کتاب میں کوئی شک نہیں، (بقرہ آیت ۱)

پھر یونس سورت آیت ۹۴ "اگر تو شک میں ہے" علامہ جی! آیت ٹکراتی ہے یا نہیں؟

پادری صاحب! اسی کو کہتے ہیں ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ان آیات میں مطلق کوئی اختلاف نہیں۔ پہلی آیت میں ہے کہ اللہ کی کتاب کی ہدایت اور کاملیت میں کوئی ریب یا الجھاؤ نہیں۔ یہ یقین قرآن کی صداقت میں فی ذاتہ ہے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ جیسا کہ آفتاب روشنی اور گرمی دیتا ہے۔ کوئی اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔ لیکن سورہ یونس میں شک کتاب کی صداقت میں نہیں۔ بلکہ مخاطب کے ذہن میں ہے یا اسے کہا گیا ہے کہ وہ آیات الٰہی میں شک نہ کرے کیونکہ یہ آیات شک سے پاک اور بلند ہیں۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ توریت موسیٰؑ کی سچی کتاب ہے۔ اس کی صداقت میں شک نہ کرنا۔ تو ان دو جملوں میں تضاد نہیں پایا جاتا۔ شک کا مرکز مخاطب کا ذہن ہے۔ کتاب نہیں۔ اگر آپ کا مبلغ

علم ایسی قدر ہے ۔ اور آپ نے اسی قسم کے پادر ہوا سوالات کرنے ہیں ۔ تو پھر اپنا نہیں تو کم از کم قارئین کا وقت تو ضائع نہ کیجئے

مخلصانہ التماس

پادری صاحب آپ کا مشن انجیلی تعلیمات کی صداقت پیش کرنا ہے ۔ اور یہ مقصد قرآن کے مفروضہ نقائص بیان کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے آپ انجیل کی طرف رجوع کیجئے اور اس کے فضائل تو گنوا ئیے ۔ اور ہم نے اس مختصر سے رسالہ میں انجیل کے حوالے سے جو وضاحت طلب کی ہے ۔ آپ معقول طریق پر کتاب مقدس کے حوالوں سے بیان کیجئے ۔ تاکہ ہم آپ کی تحریر سے مستفید ہوں ۔ اور اگر ان کا جواب انجیل میں نہ پائیں ۔ تو پھر آپ کو بھی اپنے معتقدات پر نظر ثانی کرنی چاہیئے ۔

آپ کو معلوم ہے کہ تمام انبیاء اور حضرت مسیحؑ کی بعثت کی غرض بھی یہی تھی ۔ کہ لوگ اپنے غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ حق و صداقت اختیار کریں ۔

(سورۂ کہف کے مرکزی نکتہ کے مطابق) انشاء اللہ العزیز آپ قرآن کی پیش کردہ سچائی کو قبول کریں گے ۔

والسّلام علی من اتبع الھدیٰ والحمد للہ ربّ العالمین

"بے بنیاد"

از قلم اعجاز چوہدری

شائع کردہ
اسلامی مشن سنت نگر - لاھور

بے بنیاد ـــــــــــ ازقلم اعجاز چوہدری

ایک عرصہ سے اسلامی مشن سنت نگر لاہور اور علمائے مسیحیت کے درمیان انجیل کے اصلی متن پر بحث چل رہی ہے جس کے لئے انعامات تک کا اعلان کیا گیا لیکن اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا اور اس میں علمائے مسیحیت کی وہ ہٹ دھرمی شامل تھی جو کوّے کو ہر حال میں سفید کہنا اپنا شیوہ بنا بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اصولِ مباحثہ یہ ہے کہ اگر ایک بات ذہن تسلیم کرتا ہے۔ تو اس کا ببانگِ دہل اقرار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جانی چاہیئے۔

لیکن علمائے مسیحیت اپنی کاروں۔ کوٹھیوں۔ غیر ملکی سفروں اور ڈالروں کی حفاظت کے لئے حقیقت کو عام مسیحی تک پہنچنے سے بھی روکتے ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے ازلی و ابدی پروگرام سے سراسر بغاوت ہے۔

علمائے مسیحیت انجیل کی اصلیت کے لئے یونانی نسخوں کا سہارا لیتے ہیں۔ جیساکہ مسٹر وکلف اے سنگھ نے لکھا ہے۔ کہ

"حواریوں نے آپ کے (مسیح علیہ السلام) کلامِ مبارک کو روح القدس کی تحریک و تائید اور راہنمائی میں یونانی زبان میں قلم بند کیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں ادبی اور عالم گیر زبان یونانی ہی تھی اور ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ کلام اب تک ہمارے پاس عن و من موجود ہے۔"

لیکن وکلف اے سنگھ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ قدیم کلیسیا یعنی رومن کیتھولک چرچ ان کے اس دعویٰ کی خود مخالفت کرتا ہے۔ اور اگر ہم ان کی وساطت سے کوئی حوالہ پیش کریں تو علمائے مسیحیت کو معترض نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے بانی مارٹن لوتھر ہی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ

"ہم نے کتابِ مقدس رومی کلیسیا سے حاصل کی ہے۔ اور مجھے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اگر رومی کلیسیا اس دنیا میں نہ ہوتی۔ تو کتابِ مقدس کا ایک لفظ بھی ہمارے پاس نہ ہوتا۔ کیونکہ ہم نے کتابِ مقدس کو صرف رومی کلیسیا ہی سے حاصل کیا ہے۔" (comm. on. 81 - John ch. 16)

اور رومی کلیسیا کلامِ مقدس مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال روما سنہ 1958ء کے دیباچہ بعنوان کلامِ مقدس میں اعتراف کرتی ہے۔ کہ عہدِ جدید کی کتابیں سوائے مقدس متی کی انجیل کے جو ارامی زبان میں لکھی گئی۔ یونانی زبان میں لکھی گئیں اور پھر عہدِ جدید کے دیباچہ میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔ کہ

"مقدس متی نے ارامی زبان میں اپنی انجیل لکھی جو بعد ازاں یونانی زبان میں ترجمہ کی گئی"

جس سے وکلف اے سنگھ کا دعویٰ بالکل باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ متی کا ارامی زبان میں انجیل تحریر کرنا کوئی خارجی نہیں بلکہ کلیسیا کی مستند داخلی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ مسیحیوں کی مقدس کتاب میں تحریر ہے۔ جو اتنی ہی معتبر ہے جتنا کہ

خود کتاب مقدس کا متن ہے ۔

یہ متی کون تھا؟ اس سے پہلے کہ ہم اپنی گذشتہ بحث کو موضوع بنائیں ۔ مسیحی علماء کی تردید کرنے والے شخص کا تعارف بہت ضروری ہے ۔ تو عالی جاہ یہ متی حضرت مسیح کے حواریوں میں سے ایک تھا ۔ جو کہ متی محصول لینے والا مشہور ہے ۔ جس کا مسیح کا حواری بننے کا ذکر یوں تحریر ہے :۔

" اور جب یسوع وہاں سے آگے بڑھا تو ایک شخص کو جس کا نام متی تھا ۔ محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا کہ میرے پیچھے ہولے وہ اُٹھ کر اُس کے پیچھے ہو لیا ۔" (متی $\frac{9}{9}$)

اور پھر یہی شخص جس کا نام متی ہے ۔ مسیح علیہ السّلام کے حواریوں میں باقاعدہ شامل ہو گیا ۔ اور اس منصب پر فائز ہُوا ۔ جس پر دوسرے حواری تھے ۔ جیسا کہ تحریر ہے :۔

" پھر اُس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر انہیں ناپاک رُوحوں پر اختیار بخشا ۔ کہ اُن کو نکالیں اور ہر طرح کی کمزوری کو دُور کریں ۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں ۔ پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے ۔ اور اس کا بھائی اندریاس ۔ یعقوب بن زبدی اور اس کا بھائی یوحنا فیلبوس اور برتلمائی ۔ توما اور متی محصل ۔ یعقوب بن حلفائی اور تدائی شمعون قانونی اور یہوداہ اسکریوطی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا ۔" (متی $\frac{10}{1-5}$)

اور پھر اسی متی کے متعلق عہدِ جدید کے دیباچہ میں مرقوم ہے :-

"کہ چونکہ مقدس یوحنا اور مقدس متی رسول تھے۔ اس لئے یہ
خداوند یسوع مسیح کی علانیہ زندگی کے چشم دید گواہ ہیں"

اس طرح سے جو تین باتیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ وہ ایک شخص کے تین پہلو ہیں۔ وہ شخص متی ہے جو اول حضرت مسیح کے بارہ مخصوص حواریوں میں سے ایک تھا۔ دوم وہ ان کی علانیہ زندگی کا چشم دید گواہ تھا۔
سوم۔ وہ انجیل نویس تھا۔ جس نے ارامی زبان میں انجیل لکھی۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متی نے انجیل ارامی زبان میں کیوں لکھی ؟ جس کا آسان جواب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ اس کی مادری زبان ہوگی۔ اور متی اس دور کا آدمی ہے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اعلانیہ زندگی کا آغاز کیا۔ ہٰذا اس دور میں اسرائیلی علاقوں میں ارامی زبان رائج ہوگی۔ اور بلا مبالغہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی لوگوں سے اسی زبان میں گفتگو فرماتے ہوں گے۔ کیونکہ جب ان کے سننے والے اور مقلد اپنی تحریر و تصنیف میں ارامی زبان استعمال کرتے تھے۔ تو پھر کسی اور زبان کا تصور کرنا چہ معنی دارد۔
اور اس کے لئے ہمارے پاس ایک اور داخلی اور مستند دلیل موجود ہے۔ جو یوں مرقوم ہے :-

"اور میں (حضرت مسیح علیہ السلام) تجھ سے کہتا ہوں۔
تو کیفا ہے اور میں اس کیفا پر اپنی کلیسیا بناؤں گا۔"

(متی $\frac{16}{18}$)

اور اس حوالہ کے نیچے دیئے گئے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

"کیفا ایک ارامی لفظ ہے بمعنی چٹان" (حاشیہ عہد جدید ص 25)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام ارامی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اور اب اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ تو علمائے مسیحیت اسلامی مشن کے ساتھ مباحثے کی ایک صورت پیدا کرنے کی بجائے کم از کم متی کی انجیل کا وہ ارامی نسخہ دکھادیں۔ جس کا ذکر کلیسیائے قدیم نے اپنی کتاب "کلام مقدس" میں کیا ہے۔ اور اگر کم از کم متی کا وہ ارامی نسخہ پیش نہیں کر سکتے تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یونانی زبان میں تحریر شدہ انجیل حضرت مسیح کی اصل انجیل کی تعلیم سے ہٹ کر تحریر کی گئی ہے جس میں یونانی و رومی قوموں کی تہذیب و ثقافت کو الہام کا سہارا دے کر سمو دیا گیا ہے۔ اور اس کی ساری ذمہ داری اس ساؤل پر ہے۔ جو ایک عرصہ تک حضرت مسیح علیہ السّلام کے مخالفین میں پیش پیش ہونے کے بعد اچانک صعودِ مسیحؑ کے بعد ڈرامائی انداز میں مسیحیت کا لیڈر بن گیا۔ اور اپنی منافقانہ چالوں سے حضرت مسیح علیہ السّلام کی تعلیم کو ایسے رنگ میں پیش کیا۔ کہ ان کی تبلیغ و رسالت کا مفہوم تباہ ہو گیا۔ اور مسیحیت خدائے واحد و برحق کے عقیدہ سے ہٹ کر تثلیث و کفارہ جیسے بت پرست عقیدوں میں ضم ہو گئی۔ وہ اپنے آپ کو غیر قوموں کا رسول کہہ کر حضرت مسیح علیہ السّلام کو ایک دیوتا کی صورت میں پیش کرتا رہا۔ اس کی منافقانہ چال کا اندازہ اس کے اپنے الفاظ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

"گو میں سب سے آزاد ہوں۔ پھر بھی میں نے اپنے آپ کو سب کا غلام بنایا ہے۔ تاکہ میں بہتوں کو حاصل

کرسکوں ۔ میں یہودیوں کے درمیان یہودی کی طرح بنا ۔ تاکہ یہودیوں کو حاصل کرسکوں ۔ اہلِ شریعت کے لئے میں اہلِ شریعت کی طرح بنا (گو میں شریعت کے تابع نہیں) تاکہ اہلِ شریعت کو حاصل کرسکوں ۔ بے شرعوں کے لئے میں بے شرع بنا ۔ تاکہ بے شرعوں کو حاصل کرسکوں کمزوروں کے لئے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو حاصل کرسکوں ۔ سب کے لئے سب کچھ بنا ۔ تاکہ ہر ممکن طور سے بعض کو بچا سکوں

(۱ - قرنتیوں $\frac{9}{19-22}$)

غرضیکہ پولس نے غیر اقوام کو جب مسیحیت کی تبلیغ کی اور وہ اس میں داخل ہوئے تو اُن کی مشکلات کے پیشِ نظر شرعی احکام کا ان کو مکلف قرار نہ دیا ۔ اور صرف مصلحت بینی کے اصول پر ہر جگہ ان کے حالات کے مطابق ان کو تعلیم دی ۔ گویا وہ "مرغِ باد نما" تھا ۔ جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ اپنا رُخ بدل لیتا تھا ۔

ہماری اس تحریر کا موضوع تو اصلیتِ انجیل ہے ۔ لیکن پولُس کا ذکر اس لئے زیرِ بحث آیا ہے کہ یہ شخص انجیل کی تصنیف و تدوین اور تحریف و تبدل پر اثر انداز ہوا ہے ۔ بلکہ یہاں تک کہنا بجا ہوگا ۔ کہ اگر پولُس حضرت مسیح علیہ السلام کا خود ساختہ حواری نہ بنتا ۔ تو شاید آج مسیحیت

کا اندازِ فکر اور عقیدہ موجودہ مسیحیت سے بالکل علیحدہ ہوتا۔

اور متی جو حضرت مسیح علیہ السلام کی اعلانیہ زندگی کا چشم دید گواہ اور ارامی زبان میں انجیل کا کاتب تھا۔ آج مسیحی دنیا کے لئے ایک سند ہوتا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ اس کی تحریر بھی جب پولسی دور میں یونانی تراجم بھی بھینٹ چڑھی تو اصلیت پر دبیز پردے پڑ گئے۔ اور یہ سب کچھ قصداً کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ متی کا آرامی نسخہ محفوظ رکھنے میں کیا حرج تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم متی کی ارامی انجیل کو زیرِ بحث لائیں۔ دوسری اناجیل پر ایک سرسری نظر ڈالنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تعجب کی بات ہے۔ کہ جب ایک انجیل کا وجود موجود تھا تو پھر دوسری اناجیل کی ضرورت کیا تھی؟ اور جب بنیادی کتابوں کے علیحدہ علیحدہ متن تیار کئے جائیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ دکانداریاں قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر متی نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا چشم دید گواہ تھا۔ ایک انجیل مرتب کر دی تھی۔ تو اس سے ہی استفادہ کیا جاتا۔ کیونکہ مقصد تو حیاتِ مسیح اور تعلیماتِ مسیح تھا۔ وہ خواہ ایک راوی کے ذریعہ عوام تک پہنچ جاتیں یا چار راویوں کی وساطت سے۔ بلکہ اگر ایک ہی راوی مستند قرار دے دیا جاتا تو شاید آج مسیحی تعلیم پر اتنے اعتراضات نہ اٹھتے اور نہ ہی مسیحی تعلیمات تضادات کا شکار ہوتیں۔

متی کی ارامی انجیل کے علاوہ دوسری تین اناجیل کا پس منظر کیا ہے؟ قارئین کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہوگا۔ کیونکہ ہم سطور بالا

ہیں کہہ چکے ہیں۔ کہ یہ اضافی ہیں اور پولسی دَور کی پیداوار ہیں۔ ان میں سے متی
کے بعد دوسری انجیل مرقس کی ہے۔ جس کے متعلق "کلامِ مقدس" کے دیباچہ میں
تحریر ہے کہ :-

"مقدس مرقس مقدس پطرس رسول کا شاگرد تھا۔ اور اس نے
رومیوں کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنے استاد کی تعلیم قلم بند کی
اور پطرس رسول نے اس کی کتاب منظور و قبول کی۔"

لیکن محققین کے نزدیک اقتباس مندرجہ بالا سراسر غلط ہے۔ اس سلسلہ میں
ارینیوس کہتا ہے کہ :-

"پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پولس کے
مرنے کے بعد پطرس کے نصائح کو قلم بند کیا ہے۔"

ورلارڈ نر اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ :-

"میرا خیال ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل 63ء، 64ء سے
پہلے نہیں لکھی۔ کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام
کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ اور یہ تاریخ قدیم
مصنف آرنیوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے۔ جو کہتا ہے کہ
مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے۔
باسینج آرنیوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ مرقس نے
اپنی انجیل پطرس اور پولس کی وفات کے بعد 66ء
میں لکھی ہے۔"

لہٰذا ان منکرین و محققین کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس و پولس کی وفات کے بعد لکھی ہے۔ اور پطرس کے اس انجیل کو منظور و قبول کرنے کی روایت سراسر غلط ہے۔

اور پھر اسی سلسلہ میں جی۔ ٹی۔ منیلی لکھتا ہے:۔

"مرقس کی انجیل کے مارکینی دیباچہ میں جو ۱۶۵ء میں لکھا گیا تھا۔ ایک اور اطلاع دی گئی ہے کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل اٹلی میں لکھی تھی۔ اور یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

(ہماری کتب مقدسہ ص 339)

لوقا کی انجیل

یہ انجیل عہدِ جدید کی فہرست میں تیسرے نمبر پر آتی ہے۔ جس کا مؤلف لوقا طبیب ہے۔ جو کہ پولس کے شاگردوں میں سے تھا اور اہلِ کلیسا کا دعویٰ ہے کہ اس کی تصدیق پولس نے کی۔ لیکن یہ بھی سراسر غلط ہے۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ کتاب پولس کی موجودگی یا اس کے ایما پر لکھی جاتی تو کم از کم لوقا کا انتساب اس کی طرف ہوتا لیکن

لوقا نے اس کتاب کی تحریر کا مقصد تھیفلس کو بنایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب پولس کے بعد لکھی گئی اور ارنیوس کے قول کے مطابق

"پولُس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے۔ جس کا وعظ پولس نے کہا تھا۔"

اور پھر لارڈ نر کہتا ہے:۔

"کہ لوقا کا انجیل لکھنا مرقس کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا۔ اور پولس و پطرس کی وفات کے بعد"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوقا اور مرقس کی اناجیل جن کو ان مقدسین کی تصدیق بھی حاصل نہیں جن کو اہلِ کلیسیا رسول مانتے ہیں تو پھر ان اناجیل کا الہامی ہونا چہ معنی دارد؟

کیونکہ ان میں سے پطرس ایسا شخص تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے خاص حواریوں میں سے ایک تھا۔ اور پولس ایسا شخص تھا جس نے نادیدنی مسیح کو ایک مخصوص انداز سے اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔

لیکن لوقا اور مرقس ایسے اشخاص ہیں۔ جن کا مسیح کے ساتھ دیدنی یا نادیدنی کوئی بھی گہرا تعلق کسی روایت یا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ ان میں سے مرقس نے تو رومیوں کی خواہش پوری کرنے کی خاطر اور لوقا نے تھیفلس ایک مخصوص شخص کے ایمان کی پختگی کے لئے اناجیل ترتیب دیں۔

اور ان دو اشخاص کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی بھی تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے مقتدین میں سے تھے۔ اور اگر تعلیمات و حیاتِ مسیح علیہ السلام تحریر کرنا اتنے ہی ضروری تھے تو پطرس اور پولس نے خطوط لکھنے کی بجائے انجیل کی ترتیب و تالیف پر کیوں توجہ نہ دی؟ میرے خیال میں اس موضوع پر متی کی ارامی الزّیان تصنیف ہی کافی تھی۔

کلامِ مقدس کے عہدِ جدید کے دیباچہ میں مرقوم ہے:-

"انجیل ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی خوش خبری کے ہیں اور عہدِ جدید میں یہ اس نجات کو بتاتی ہے۔ جس کو خداوند یسوع مسیح نے سرانجام دیا۔ بعد ازاں انجیل کا نام ان کتابوں کو دیا گیا۔ جن میں خاص طور پر خداوند یسوع مسیح کی زندگی تعلیم اور معجزات مندرج ہیں۔ اور جنہیں الہامی تسلیم کیا گیا ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس میں "الہامی تسلیم کیا گیا" کے الفاظ اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ علمائے کلیسیا کی اپنی کونسلوں نے کیا ہے۔ ورنہ ان اناجیل کے خود تحریر کنندگان ان کے الہامی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کرتے ہیں۔ اسی دیباچہ کے مطابق "مرقس نے رومیوں کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنے اُستاد کی تعلیم قلم بند کی"۔ اور لوقا اپنی تحریر کو سوائے ایک تاریخی تحقیق کے کچھ اور نہیں کہتا۔ جیسا کہ مرقوم ہے:-

"چونکہ اکثروں نے یہ کوشش کی ہے۔ کہ ان باتوں کو

بالترتیب بیان کریں ۔ جو ہمارے درمیان واقع ہوئیں ۔ جس طرح کہ اُنہوں نے ہم سے روایت کی ۔ جو شروع ہی سے خود شاہد اور کلام کے خادم رہے ۔ اس لئے اے معزز تاؤفلیس میں نے بھی مناسب سمجھا ۔ کہ سب کچھ شروع ہی سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے بالترتیب تیری خدمت میں تحریر کروں ۔ تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم حاصل کی ہے ۔ تو اُن کی پختگی معلوم کرے ۔"

(لوقا $\frac{1}{1-4}$)

اب قارئین ہی انصاف کریں ۔ کہ ان دونوں انجیل نویسوں کو کہاں روح القدس نے متحرک کیا تھا ۔ کہ وہ انجیل لکھیں ۔ بلکہ یہ خالصتاً ان کی اپنی طبعی سوچ تھی ۔ جس کا پسِ منظر ہم سطور بالا میں آپ کی نذر کر چکے ہیں ۔

یوحنا کی انجیل

165ء کے لگ بھگ مسیحیوں کا ایک گروہ اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

"جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت یہ ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں مسیحیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو 165ء کے لگ بھگ چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا۔ اور اسے سرنتھس کی طرف منسوب کرتا تھا۔

سینٹ ایپی فانیس نے 374ء 377ء میں اس گروہ کو طویل تذکرہ کا مستحق سمجھا۔ جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا۔ جو غناسطی اور مونٹینسٹ فرقوں کا مخالف تھا اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا۔ یہاں تک کہ بشپ نے اس کا نام " الوگی " رکھ دیا۔ اگر انجیل یوحنا

کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی ۔ تو کیا ایسا طبقہ
اس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں
انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ
سکتا تھا ۔ یقیناً نہیں ۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صہ ۹۹ جلد 13
مقالہ جان ۔ گاسپل آف

جیمس میک کنن لکھتا ہے ۔

" یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرینوس نے
جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں
ہے ۔ یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ
خلط ملط کر دیا ہے ۔"

From christ to constantine 119

London 1936

مشہور پادری اور صاحب تصانیف عالم آرچڈیکن برکت اللہ لکھتے ہیں : ۔

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت
کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدی کی
تصنیف ہے ۔ درست نہیں ہو سکتی ۔"

(قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ صہ 131
(دہلی ۔ آر بی الیس 1960ء)

اُنہوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ چوتھی انجیل کا مصنّف "یوحنا رسول" نہیں تھا۔ "یوحنا بزرگ" تھا۔ انہیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سوال کا جواب بھی اُنہی کے اپنے الفاظ میں سُن لیجئے۔

"جو علماء یہ مانتے ہیں۔ کہ اس انجیل کو یوحنا زبدی رسول نے لکھا ہے۔ وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیّت کے قائل نہیں۔ اور ان کا نظریہ یہ ہے۔ کہ

انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معرّا ہے۔ اور اس کے مکالمات مصنّف کے اپنے ہیں۔ جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے"۔

بقول مفسّر ویسٹ کاٹ

"افسوس کے بزرگوں نے اُسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیئے ہیں۔ جن سے مصنّف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو۔ تاکہ اپنے زمانے کے بعض اُن غناسطی فرقوں کے خلاف حجّت قائم کی جا سکے"۔

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد 7 صفحہ 205 میں یوں لکھا ہے :-

"اسٹاولن نے اپنی کتاب میں کہا ہے ۔ کہ بلاشک وشبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے ۔"

محقق برطشنیدر کہتا ہے کہ :-

"یہ ساری انجیل اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں ۔ بلکہ کسی شخص نے اُن کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے ۔"

اقتباساتِ مندرجہ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی دلائل ہیں ۔ جو اس امر کی دلالت کرتی ہیں ۔ کہ یہ انجیل اس حواری کی نہیں تھی ۔ جو حضرت مسیحؑ کی علانیہ زندگی کا چشم دید گواہ تھا ۔ بلکہ اس کے بعد دوسرے لوگوں کی طبع آزمائی کا پھل ہے ۔ اور اگر اس قسم کی طبع آزمائی ہی الہام ہے ۔ تو پھر اس روشن دَور میں مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور حیاتِ طیبہ پر ایک اچھی اور پر دلائل انجیل لکھی جا سکتی ہے ۔ کیا اربابِ کلیسیا اس کو بھی الہام تسلیم کرنے پر رضامند ہو سکتے ہیں ۔

یہ تو اناجیل پر علیحدہ تبصرہ تھا ۔ اب قابلِ غور ہیں وہ باتیں، جن میں مجموعی طور پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ اور اس سلسلہ میں بھی محققین کے

خیالات مختلف ہیں۔ جیسے ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ 1822ء جلد نمبر ۴
قسم نمبر 2 باب نمبر 2 میں کہتا ہے۔

"ہم کو مورخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں۔ وہ ناقص اور غیر معین ہیں۔ جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی اور ان کو قلم بند کر ڈالا۔ بعد کے آنے والے لوگوں نے اُن کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا۔ اور یہ سچی جھوٹی روائتیں ایک سے دوسرے کاتب تک پہنچتی رہیں۔ مدت مدید گذر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا۔"

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کینرکان کا عالم ہے۔ چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے :۔

"یہ بات محقق ہے کہ اس عہدِ جدید کو نہ تو مسیحؑ نے تصنیف کیا ہے۔ اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا۔"

اس کے علاوہ سینکڑوں اور دلائل لائے جا سکتے ہیں جن سے اناجیل کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن علمائے مسیحیت بقول حضرت مسیح علیہ السّلام نہ تو خود خدا کی بادشاہت میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور نہ ہی دوسروں کو داخل ہونے دے رہے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔ ریت پر استوار ہونے والی دیواریں کب تک طوفانوں کا مقابلہ کریں گی۔ اب تو وہی مکان رہے گا۔ جس کی بنیاد چٹان پر ہوگی۔
اور دین کے معاملہ میں توحید سے بڑی چٹان کوئی نہیں؛